



سلسلہ ادبیات

جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ الہ آباد کا

پہلا نمبر

# خیانانِ نرم

۱۳۵۴ھ

از

حضرت شہیر محلی شہری

سلسلہ ادبیات  
جامعہ اسلامیہ عثمانیہ کلاں

# خیابانِ مہم

۱۳۵۲ھ

اشرف آباد

سرگرمہ سفھوران - سرآمد نکتہ پردازان خاقانی مرتبہ - نظیری نظیر  
دبیر پیشانی - سحر بیان - جادو تقریر یکہ تاز میدان فصاحت  
شہسوار ضمائر بلاغت (خان صاحب) جناب مولوی  
سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم مچھلی شہری  
مرتبہ

جناب سید اختر حسین نقوی سرورش جانشین حضرت شہیر مرحوم

جناب مولانا الحاج شاہ ابوالحسن محمد مظفر حیدری "فاضل" غازی پوری  
تلمیذ رشید حضرت شہیر اعظم اللہ مقامہ  
بہ تحریک

نواب زادہ محمد خلیل اللہ ابن ایس جنگ بہادر  
با اہتمام عظیم رفیقان علی صاحب

در مطبع اسرار کریمی الہ آباد طبع شد

قیمت دو روپیہ

۱۹۳۶ء

تمام حقوق محفوظ

# قطعہ تاریخ

نتیجہ فکر بلند امتیاز الشعرا جناب مولوی سید محمد حنیف  
قدسی جاسی

شہیر خوش بیاں کا ہے یہ دیواں      ہے اس کا صفحہ صفحہ گل بدامان  
برنگ مہر یہ پر تو فشاں ہے      نظیر اسکی زمانے میں کہاں  
شہیر خوش بیاں استاد فن تھے      امیر کشور شعر و سخن تھے  
سخن سنجی میں تھے مشہور آفاق      غزل ہو یا قصیدہ سب میں مشاوق  
یہ مجموعہ بڑی جانکاہیوں سے      کیا شائع جناب حمید می  
جلایا خوب نام استاد فن کا      جزاہ اللہ فی الدارین خیر  
ضیا میں غیرت شمع فروزاں      ہے تقریظ جناب سر سلیمان

اگر پوچھے کوئی تاریخ اس کی

”خیابانِ ترجمہ“ کہ دو قدسی

عالیجناب نیک نیریل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے بی بی ایم ای، ال  
 ال ڈی پیر سٹریٹ لاجپٹ جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کی  
 واجب التعمیم تقریظ

(خاندان صاحب) جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم رئیس  
 پھلی شہر ضلع جونپور، علم ادب کے ماہر اور اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے  
 تھے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، شہنوی وغیرہ تمام اصناف سخن پر آپ کو یکساں قدرت  
 حاصل تھی اور ہر صنف میں آپ کا کلام اہل ذوق کے دل پر اپنے سگے بھٹا چکا  
 ہے۔ آپ ایک کامل الفن شاعر، اور با اقتدار رئیس ہونے کے باوجود نہایت  
 منکسر مزاج، نیک اور خلیق تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہستی، ہر حیثیت  
 سے قابل قدر تھی، مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ کا کلام شائع ہو رہا ہے،  
 خدا کرے کہ اس کو مقبولیت عام حاصل ہو۔

خاکسار

شاہ محمد سلیمان عفا عنہ  
 الہ آباد

۲ مارچ ۱۹۳۶ء



# تہذیب

میں اپنے استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے گراں قدر  
جو اہر ریزوں کو عالی جناب مستغنی عن الالتساب الحساج  
ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر ایم اے ال  
ال ڈی بیسٹریٹ لاء ناظم (سشن جج) صوبہ اوزبک آباد  
دکن زاد اللہ اقبالہ و اجلالہ کے اسم گرامی سے  
معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

ناچینہ  
حیدری



عالمیجناب الحاج ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر  
 ام، اے، ال، ال، ڈی۔ بی۔ سٹریٹ لائناٹم (شش جج)  
 صہ اور نگ آباد، ک۔

## منظور ہے گزارش احوال واقعی

دلی تمنا تھی کہ استاد عظیم حضرت شہیر مرحوم کے بے با جواہر پارے ایک دیوان کی صورت میں ارباب نظر کے سامنے پیش کئے جائیں لیکن کردہات زمانہ میرے اقدام عمل میں سنگ راہ ہوئے رہے۔ احباب کا اصرار ہوتا رہا اور میں امروز فردا پر محول کرتا رہا لیکن یہ محسوس کر کے کہ عالم رنگ و بو کے تزیینات سے یکسو فی حاصل ہونے کی امید کرنا، خواب و خیال ہے۔ خدا کا نام لے کے ترتیب و اشاعت کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

حضرت شہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دنیائے ادب کا بچہ بچہ آپ کی مشہور و معروف ہستی سے واقف، اور زبان اردو صحیح معنوں میں آپ کی رہین منت ہے۔ آپ کے سوانح حیات پر چنداں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں مجتہدی جناب برادر سید اختر حسین صاحب سرور جانشین حضرت شہیر نے تبصرہ کیا ہے لیکن یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قدرت کی جانب سے آپ کا ایسا حساس و دردمند دل عطا ہوا تھا جسکی فیاضیابیوں نے آپ کو حقیقی طور سے شاعر تکلف کو

صفت سے خارج کر کے اشاعرہ مبلغ کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ دورِ اولیں و آخرین کے اشعار نذرِ تغافل ہو چکے۔ ایک مرتب و منظم دیوان، حضرت شہیر کی زندگی ہی میں ضائع ہو چکا جس سے آپ اور آپ کے احباب خاص بے حد متاسف تھے۔ چنانچہ حضرت امیر بینائی مرحوم کے صحیفہ ذیل سے اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

نمبر ۱۶

۱۹ اپریل ۱۸۹۷ء

دلتواڑ امیر میر حضرت شہیر سلیم الد القدر

سلام مسنون۔ اخلاص مشحون۔ شہداءِ مرض۔ عسر بول و عیس بول سے اوقات میں سخت احتلال ہے۔ ضعف پیرانہ سالی کو خستہ حالی نے اور قوت دے رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ احباب سے بھی رسم و راہ خط و کتابت ترک ہو گئی ہے۔ آپ کی محبت اور عنایت کا خیال تو اکثر رہتا ہے۔ مگر خط لکھنے کا اتفاق مدت سے نہیں ہوا آج محمد احمد سے آج کی ضرورتیں سن کر مجھے ایسا قلق ہوا کہ اسکے بیان کو لفظ نہیں ملے۔ خدا جانے کس بیدار دہنے یہ ظلم کیا اتنے بڑے دیوان کا چوری جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ تفصیل تو لکھئے یہ کیا غضب ہوا۔ آپ سے نامور شاعر کا کلام کسی دوسرے کے کام کیونکر آ سکتا ہے یہ بھی لکھئے کہ خدا نخواستہ اس کلام کے ملنے سے یاس ہو گئی ہے یا احتمال باقی ہے اور در صورت نہ ملنے کے کچھ مسودات ایسے ہیں جن سے پھر ترتیب تبض ہو سکے یا نہیں؟ خدا کرے وہی دیوان مل جائے ورنہ آپ ہرگز ہمت نہ مارے اور مسودات سے جس قدر ممکن ہو پھر جمع کر لیجئے ایسے مرزاے جواب کا تلف ہو جانا۔ آپ کے احباب پر نہایت شاق ہے میرا دل تو

لے از کاغذ امیر بینائی

یہ خبر سنا کر بسمل ہو گیا زیادہ اسوقت کیا لکھوں۔ یہ چند سطریں طبیعت پر جبر کر کے لکھی ہیں میری کوتاہ تہلی پر نظر نہ فرما کر کبھی کبھی مجھے اپنی خیر و عافیت اور صحت و سلامت سے مسرور کیا کیجئے تو کمال احسان ہے۔ مکملہ التماس یہ ہے کہ غدر میں میرا بھی کلام جسقدر اس زمانہ تک مرتب ہوا تھا اور میں نے اسکو خوشنویس سے لکھوا کر منسلک اور مذہب کرایا تھا سب تلف ہو گیا۔ مگر کچھ اپنی یاد سے کام لیا اور کچھ پھر میزوں کیا کہ رآۃ النسیب کی صورت بنی اگرچہ ہزار ہا شعر یاد نہ آئے اس لکھنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی بالکل اس دیوان سے قطع نظر نفرمائیں اور کوشش کریں کہ کچھ یادگار باقی رہے۔

”آپ کا منت پذیر حسرت خمیہ دیاس تصویر امیر فقیر“  
حضرت شیر اسی نظریہ کے تابع اور اسی لائحہ عمل کے پیرو تھے جسکا سنگ بنیاد ناسخ نے رکھا تھا مصلحت زبان کی حیثیت سے آپ کا شمار میسرے دور میں کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ آپ جناب متیر مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے اور حضرت منیر کو ناسخ سے فخر تلمذ حاصل تھا آپ کے اشعار پر اکسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح و منکشف ہو جاتا ہے کہ آپ حقیقی طور سے فیض منیر سے مستفید ہوئے۔ خود حضرت شیر فرماتے ہیں ۵

بعد از ناسخ و منیر شیر یادگار گزشتگان ہیں ہم

شاعری ایک فطری شے ہے اگر انسان قدرت کی جانب سے شاعرانہ دل و دماغ لیکر آیا ہے تو اسکے جذبات محدود نہیں رہ سکتے وہ اپنے احساسات، نظم کی صورت میں ظاہر کرنے پر مجبور ہے، جس طرح ایک اُبلتا ہوا چشمہ، کسی رکاوٹ سے نہیں رکتا، وہی کیفیت

ایک شاعر کی ہے جب اسکے شاعرانہ خیالات میں جزر و مد نہ ہوتا ہے تو وہ شعر کی مادی سے اختیار کرتا ہے۔ حضرت شہیر کو غلاتی ازل نے ایک ایسا دل عطا فرمایا تھا جس میں احساسات و جذبات کی دنیا آباد تھی آپ کو خوش نصیبی سے ایک ایسا رہکار مل گیا جس نے آپ کی شخصیت میں چار چاند لگا دئے اور آپ کو مکمل شاعر بنادیا۔ اصناف سخن کے ہر نوع پر خاصہ فرسائی و طبع آزمائی تو آسان ہے لیکن ہر صنف کو بہترین صورت میں پیش کرنا بہت دشوار ہے۔ جناب شہیر کی شخصیت اس معاملہ میں بھی اپنے معاصرین میں طرہ امتیاز رکھتی ہے، آپ نے ہر نوع کے طرہ توجہ فرمائی اور کما حقہ اسے انجام دیا غزل میں تمام وہ شرائط و نظر رکھے جو ایک غزل گو شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ قصائد و نظم و رباعیات و مسدس و مثنوی غرض کہ ہر صنف سخن میں آپ نے کمال شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔

## غزل

لفظ غزل کو جس مفہوم کیلئے وضع کیا گیا تھا، اس معنی و وضعی کے ساتھ اب اس کی تخصیص نہیں رہی بلکہ اس کی وسعت نے، تصوف، اخلاق، موعظ و غیرہ کو بھی اپنے دامن میں لے لیا ہے، غزل کی اصلاح، تمام اصناف سخن سے زیادہ اہم ہے اس لئے اسکا اثر قومی مذاق اور قومی اخلاق پر جس قدر بھی ہو کم ہے، ہر شخص اپنے ذوق کے موافق لطف اندوز ہوتا ہے۔ غزل کی بنا چونکہ حقیقتاً عشقیہ مضامین پر رکھی گئی ہے اس لئے اگر عشق و محبت کی چاشنی نہ دی جائے تو آج کل اسکا مقبول ہونا دشوار ہے بایں وجہ عشقیہ مضامین کے لئے ایسی جامع لفظیں ضروری ہیں، جو محبت کے تمام

تعلقات مادی اور روحانی پر غالب ہوں اور حتی الامکان ایسے الفاظ سے احتراز کیا جائے جن سے کلام میں سقم و رکاکت پیدا ہونے کا شبہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ غزل کو مطالب و مضامین کے لحاظ سے جس قدر وسعت دی جائے مسرت رہے۔ لیکن مفہوم شعر کا لفظوں کے گور کہ دندرے میں پھینس کر جاننا، شاعر کے واسطے کمال پر نقص کا بدنامہ صوبہ لگاتا ہے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال ضروری ہے تاکہ سامع کا ذہن فوراً اصل مفہوم کی طرف متوجہ ہو جائے الفاظ جس قدر عام فہم ہو جائیں اسی قدر شعر میں کیفیت ہوگی ایسے غریب الفاظ استعمال کرنا جس سے کان آشنا نہیں ہیں، کسی طرح مدح نہیں، آسان اور سادہ لفظیں جو شاعر کے جذبات کی آئینہ ہوتی ہیں ان سے آمد کا اظہار ہوتا ہے۔ جذبات کو لفظوں کا پابند نہ آوڑ کہلاتا ہے۔ آسان لفظوں کیساتھ محاورہ و روزمرہ کی پابندی بھی غزل کے لئے ضروری ہے۔ اگر محاورہ و روزمرہ کی لطافت بھی شعر میں موجود نہ ہوگی گوشہ بند تر ہو جائیگا۔ جناب شہیران تمام خصوصیات مذکورہ کے فی الحقیقت حامل تھے۔ آپ کے بے تکلف اشعار آوڑ کے دائرے سے بالکل خارج ہیں آپ ایسے الفاظ کبھی نہیں استعمال کرتے تھے جس سے مفہوم شعر مغلق و مبہم ہو جائے بلکہ ہمیشہ سادہ اور آسان لفظیں اور ان کے ساتھ محاورہ اور روزمرہ استعمال فرماتے تھے سخت سے سخت مضامین، اہم سے اہم اسوہ نہایت سنجیدگی سے ادا فرماتے تھے۔ فلسفہ کے اہم مسائل، لغتوں کی حقیقی لغویہ، اخلاقیات کا

بہترین مظاہر، عشق و محبت کی دلچسپ داستان، رنج و غم کا پُر مسرت مرقع، ہمارے  
 پر لطف کیفیت، سوز و گداز کی دلزدہ حالت، جس عنوان سے، حضرت شہیر نے پیش  
 فرمائی ہے اس کا کیا کہنا، صنائعِ لفظیہ و معنویہ کا لحاظ، معنی آخری و دشوار پسند  
 تخیل و محاکات، قواعد کی پابندی یہ سب چیزیں عام طریقہ سے ان کے کلام میں  
 پائی جاتی ہیں، آپ نے اکثر و بیشتر ان زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے جن پر  
 کہ ہندوستان کے مایہ ناز شعرا، دودھن لے چکے ہیں اور کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا  
 ہے جسے وہ نظر انداز کر گئے ہوں لیکن حضرت شہیر کی شاعرانہ فطری طاقت نے  
 کچھ ایسے لطیف گوشے پیدا کر دیے کہ جن سے موصوف کے کمال شاعری کا بین ثبوت  
 ملتا ہے۔ ہم اس مقام پر ایجاز و اختصار کے ساتھ چند اشعار مشتمل نمونہ از خروار  
 پیش کرتے ہیں جو تمام محاسن شعر کے فی الواقع حامل ہیں۔

اعتبار عمر فانی کچھ نہیں	کچھ نہیں دنیا کے فانی کچھ نہیں
وقت پیری زندگی کچھ نہیں	زندگانی بے جوانی کچھ نہیں
آنسوؤں سے کیا بچے دل کی لگی	آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
سُن کے وہ افسانہ الفت مرا	بولے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
بے بقا ہے عالم ناپائیدار	کچھ نہیں دنیا کے فانی کچھ نہیں
خشک ہے بے اشک کشت آرزو	سوکتا ہے دھان پانی کچھ نہیں
لے باغبان شوق اسیری ہے ہمدرد	خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش



سونقش خود جو ایک تصور میں کھینچے  
 پھر اسکو کیا ہومانی و ہمزاد کی تلاش  
 ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا  
 ہولاکھ مگر عہد وفا ہو نہیں سکتا  
 کیوں قتل کے اقرار میں پتہ مگھو تامل  
 کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا  
 قاتل سے جو بجائے وہ قاتل ہے کد لہجہ  
 یہ دشمن جاں دوست چرا ہو نہیں سکتا  
 کیوں پھر مجھے لے عیسیٰ دراز نہ ہو گیا  
 کیا در و مرا قابل درماں نہیں دیکھ  
 رستہ نہ ملا اسکو بیابانِ تنہا  
 جس نے کہ مرا چاک گریاں نہیں دیکھ  
 مرے واسے کے نام کا خط تھا  
 شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میر نصیب  
 نیند آئے یا نہ آئے تم کو ہم سوتے ہیں کج  
 دل کی چوٹیں داغ بن بن کر نمایاں ہو گئیں  
 جو جگر میں رہ گئیں وہ درد پناں ہو گئیں  
 شاخمائے گل میں گھر کر ہو گئی بیل اسیر  
 ڈالیاں ہر سمت سے دیوار نہ نال ہو گئیں  
 وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سہ دلایوس میں  
 چاروں دیواریں تھیں لہو کی دل جگر کی کائنات  
 قید آب و گل سے دنیا میں نہ چھوئے تاحیات  
 میں تو دونوں طرح منت کش تیر تیار ہوتا  
 اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی  
 وہی ماں نظر نظر تھی مے دل سے جو گزرتی  
 مرے قلب مضطرب کا تو ہمارا چرخ پہ تھا  
 اس کے بازو سے جب کھلا ثنویذ  
 اس کے بازو سے جب کھلا ثنویذ  
 جو کہ پامال ہجوم یاس و حرماں ہو گئیں  
 وہ بھی صرف دعوتِ سو فادہ تر گائی ہو گئیں  
 چاروں دیواریں عناصر ہی کی زندانی ہو گئیں  
 وہ اکھ کے دل میں رہتا کہ عجب کے پار ہوتا  
 تو نہ سوز غم بھی دل کا میر غمگسار ہوتا  
 وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا  
 جو اسے مسکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

حضرت غالب مرحوم کی بہ دو غزلیں ایسی ہیں کہ کوئی گوشہ الہیہ نہیں جسے غالب نے  
چھوڑ دیا ہو۔ حضرت شہیر کے زورِ نامیت کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ انھوں نے ان  
سے نیا رنگ پیدا کر دیا اور جدید گوشے نکالے۔

پربک بات میں تھا حجابِ اولِ اول      نیوں تم تھے حاضرِ جوابِ اولِ اول  
دفا دارِ اختیار کا اب لقب ہے      کہیں تھا یہ میرِ خطابِ اولِ اول  
ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے      ہوئے غرقِ بیجِ شرابِ اولِ اول  
جوانی میں زندگی ضعیفی میں توبہ      ثوابِ آخرِ آخرِ عذابِ اولِ اول  
نیازِ ابتدا کا تھا نازِ ابتدا کا      سوالِ اولِ اولِ جوابِ اولِ اول  
حضرت داغ مرحوم نے بھی اس زمین میں ایک غزل کی ہے اور کوئی شک نہیں کہ وہ  
غزل بے مثل ہے۔ لیکن حضرت شہیر کی اس غزل کے چند شعر اہلِ تحسین ہرگز دیر سے  
زعمِ ناقص میں قدرے امتیازِ نہ شان رکھتے ہیں مثلاً یہ شعر  
جوانی میں زندگی ضعیفی میں توبہ      ثوابِ آخرِ آخرِ عذابِ اولِ اول  
لفظوں کی تکرار سے شعر کی لطافت دوچند ہو گئی۔

## نصوف

اس طریقہ کا نام ہے جس پر خلوص، وفا، تسلیم و رضا کے ساتھ چلنے والے کی ذات  
باری تعالیٰ کے حکم کے آخری منزل پر واصل ہو جاتی ہے ہر منزل پر پردہ  
اٹھتا جاتا ہے، ہر شے میں خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ در ہر چیز میں اسی کی جتنی



جو پردہ باطن میں ہے، مخوف و آرائی،  
 جب آپ کی کھینچتی ہے تصویرِ تصور میں  
 عکسِ آئینہ دل میں اسکا نظر آتا ہے  
 صورتِ گرائسی کا نقشہ نظر آتا ہے  
 یہ رنگ، شہیدِ اس کو دھوکا نظر آتا ہے  
 شیر نگہ، شہیدِ اس کو دھوکا نظر آتا ہے  
 جلوه حسنِ ازل سے پہلے رو عالمِ عموم

آپ اپنا پستہ نہیں ہم کو  
 اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی  
 یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم  
 کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم  
 عازمِ سیرِ لامکاں ہیں ہم  
 کچھ نہیں ہے جہاں وہاں ہیں ہم  
 جو ہر فردِ موعودِ آئینہ مجاز میں  
 گرمی شوقِ پردہ آہِ جگر گداز میں  
 دیکھ رہی ہے اسکا عکس ہے حجابِ ناز میں  
 جانے وہ کیا جو سور ہے جا کے حرمِ ناز میں  
 بحرِ کوراہ مل گئی دیدہ نیم باز میں  
 فوقِ ستم بھی ہو ملا جسکی لڑائے ناز میں  
 سجدے یہاں ہیں بقیرارِ ناصیہ نیاز میں  
 جھوٹی تسلیاں تو ہیں حدِ حیل ساز میں  
 کرتی ہیں کارِ سازِ بیاں عشق کے سوز ساز میں  
 صورتِ وحدتِ آشکارِ دیدہ امتیاز میں  
 نعمتِ سازِ سوزِ غم۔ نالہ و نواز میں  
 چشمِ حقیقتِ آشتا۔ آئینہ مجاز میں  
 حالِ مریضِ ہجر کا۔ کیا ہے شبِ دراز میں  
 نینتِ تو پڑ کے سور ہے پہلوئے خوابِ ناز میں  
 لے دلِ درو آشنا اُس سے جفا کیا لگ  
 پاؤں نکلتے نہیں وہ تو حرمِ ناز سے  
 انکے لبِ زبان میں گو جو ہر راستی نہو  
 نالوں کی گرم جو شیاں۔ آہونکی مہر میں

آپ کا دل تو پھر پہلے دل سنگ بھی تو ہو  
 راہِ تلاشِ یار میں جتنے ہیں درہائے خاک  
 رو در سیاہ ہجر کا ہو گیا سایہ بھی شریک  
 برقِ جلالِ طور سوزِ نورِ جمال و لافروز  
 بارشِ اشکِ غم کے ساتھ آہوں کی بھلیاں بھی  
 گرد پھرے۔ خدا ہوئے۔ لاکھوں تینگے جل مے  
 شمع بھی سحر ہوئی۔ اٹھ گئے اہلِ بزم بھی  
 حد سے بڑھائے جب قدم گر گئے آپ کے بل  
 حسنِ نظارہ سوزِ پرتابِ نظر کے شہید

مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ ناثریں

تصوف کوئی آسان چیز یا بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کس و نا کس اس کا مرد میدان بن سکے  
 وہی شخص اس بحرِ ناپیدِ اکنار کا غواص ہو سکتا ہے جس کے دل میں محبت کا سچا جذبہ  
 موجود ہو۔ ابتداً عرض کر چکا ہوں کہ شبیر ایک ایسا درد مند دل لے کر آئے تھے جس  
 محبت کی دنیا آباد تھی سوز و گداز کے اندر عشق و محبت کا حقیقی انسان جسے ہم تصوف  
 کہتے ہیں حضرت شبیر نے بہترین طور پر پیش کیا ہے اربابِ ذوق اس کا اختیار خود  
 کر سکتے ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت شبیر دنیائے شاعری کے آفتابِ درخشاں تھے ہر نوعِ سخن

بہر طبع آزمائی کے واسطے اُنھوں نے اپنے اندر لڑائی کا بیج بکھیر دیا۔ یہ مقدمہ کی تطویل موجب پریشان خاطر رہا۔ اب ذوقِ لڑائی لہذا ہر نوعِ سخن پر سرسری تبصرہ سے بھی انہیں باز کیا گیا۔ حضرت شہیر کا دیوان اپنے زین داسن میں طرح طرح کے جواہر ریزے لئے ہوئے ہے، اربابِ ذوق خود مشاہد فرمائیں گے۔

ہیں اعتراضات ہے کہ ہم اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے استادِ معظم حضرت شہیر مرحوم کے دیوان کا مقدمہ کما حقہ نہ لکھ سکے اور نہ آپ کی شخصیت کو بے نقاب کر سکے جو کچھ ان تحریر کیا گیا ہے اس سے حضرت شہیر کی ذات بلند تر ہے۔

اربابِ ذوق سے امید ہے کہ وہ جناب شہیر مرحوم کے دیوان کا خیر مقدم اُسی عزت و وقعت کے ساتھ کریں گے جس کا کہ وہ مستحق ہے۔

ہم عالیجناب آنرہیل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے 'ٹی ایم اے ال' ڈی بیٹر ایٹ لاء جیٹ حبش یا نیگورٹ ال آباد کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جناب مدوح نے میری گزارش کو شرف قبولِ حرمت فرمایا اور اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

ہم اپنے محترم دوست جناب امتیاز الشعر مولوی سید محمد جعفر صاحب قدسی جاسی کے منت پذیر ہیں کہ جناب نے میری خاطر سے اس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز فرمایا۔

ناچر

حیدری

# تعارف

(از جانشین حضرت شہید)

پہلے بچپن پھر جوانی اور کہیں آخر میں پیری آتی ہے لیکن مجبوری تلاش دے یہ حصولی کا بُرا ہو کہ حضرت شہید اعلیٰ المد مقام کا آخری کلام ٹھیکو ابتدا میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چاہئے تو یہی تھا کہ اس وقت تک جب تک کہ ابتدا درمیان کے کلام نہ مل جاسے تیس اس آخری کلام کی طباعت کا خیال ہی نہ کرتا کیونکہ اُن کتابوں کو دریا بہتا تو ہے لیکن خلافِ فطرت پھر عمرِ نوحی درکار تھی اور شاید اس پر بھی ایسا ہونا ناممکن ہی تھا کیونکہ تدبیر کے ساتھ ساتھ بسا اوقات تقدیر اپنے زبردست احکام جاری کئے بغیر نہیں رہتی۔ سب سے ابتدائی کلام خود جناب مصنف نے ایک مطبع کو دیا لیکن چھپنا درکار آج تک اس نسخہ کا پتہ بھی نہ ملا۔ درمیان کلام جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں تھا اور جس کے لئے خود جناب موصوف نے اپنی زندگی میں دوبارہ طباعت کی کوشش فرمائی وہ بھی خدا بھلا کرے میرے ایک کر مفرما کا کہ صاف کرنے جو لیگے تو اب تک خاموش ہیں بچا کھپا یہ آخری کلام رہا جو نہایت غیر مسلسل حالت میں میرے ہاتھ لگا اور جس میں بھی یہ خامی رہ گئی کہ مرحوم کی بالکل آخری عمر کی نظمیں کہیں بھی نہیں۔ بہر کیف جو بھی ہے بطور یادگار پیش ہے۔ نہ ہونے سے کچھ بھی ہونا اچھا ہی ہے۔

حضرت شہید غلامیاشاں کی مکمل سوانح عمری محتاج بیان نہیں کیونکہ دوبارہ راکیا گیا ہے ۱۹۶۱ء میں دہرہ آصفی حیدر آباد دکن میں دوسری بار جناب صفدر مرزا پوری کی تصنیف کردہ نسخہ میں

شائع ہو چکی ہے۔ لیکن چونکہ دیوان کے ساتھ ساتھ کچھ معنی کے حالات بھی ہونا ضروری نہیں  
لہذا مختصر لیکن جامع طور سے زبیت دہ اوراق ہیں۔

نام۔ سید محمد نوح۔ تخلص شبیر۔ عمر ۷۵ سال ۶۷۸ھ لغایت ۷۳۸ھ  
سادات عظام رؤسائے پھلی شہر سے ہیں۔ سلسلہ نسب پوری اڑتیسویں پشت میں حضرت امام  
علی نقی علیہ السلام امام دہم تک پہنچتا ہے اور سلسلہ مادری پچیسویں پشت میں حضرت امام  
حسنؑ تک منتهی ہوتا ہے۔ یعنی داد ہال سادات حسینی اور ناتھال سادات حسنی ہے۔  
آپ کے بزرگوار محمد سلطان علماء الدین غلجی میں شہر سبزوار متعلقہ ملک نیشاپور سے  
وارد ہو کر عمدہ ہائے جلیلہ پر سر بلند و ممتاز رہے۔ اس خاندان کا احترام سلاطین عمد  
کرتے رہے عمد عالمگیری میں آپ کے اسلاف ضلع الدباویں اگر شکن و زیب افزائے و  
سادہ ارشاد و ہدایت ہوئے۔ جہاں کثرت اولاد و اتحاد سے چند مفع آباد  
ہو گئے۔ آپ کے جدنم سید ابوسعید اعلیٰ السلام مقامہ کو سند زمینداری مواضعات کثیر کی ضلع  
جو پور صوبہ الدباویں حاصل ہوئی جس کے ذریعہ سے پھلی شہر میں آکر قیام پذیر ہوئے جو  
اس وقت محض گھسودہ کے نام سے مشہور تھا۔ عمد سرکار انگلشیہ تک آپ کا خاندان بہت  
ممتاز و سر بلند رہا۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے آپ کا خاندان یہاں آباد ہے آپ کے اہل  
خاندان ہمیشہ عمد ہائے جلیلہ پر فائز و ممتاز رہے اور اب تک ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید علی علیہ  
صاحب مرحوم خاندان موجودہ کے سردار و سرد تھے۔ ایام غدر ۱۳۵۷ھ میں سرکار انگریزی کی  
ایسی خیر خواہی اور خدمات کیں جن کے صلہ میں سرکار سے علاوہ ریاست سابقہ کے چند علاقہ تاج تری



اور عطا ہوئے علاوہ بریں اختیارات، پیشکشیں، پیشکشیں تمام حدود و پھیلیں شہر میں مرحمت ہوئے۔ آپ اپنے والد کے خلیفہ الصدق فرزند اکبر میں علاوہ حسن سیرت کے حسن سورت میں بھی داماد العطا نے امتیاز خاص بخشا تھا چنانچہ خود ایک غزل کے مصرع میں فرماتے ہیں

”آپ اچھے ہیں تو میری بھی ہے صورت اچھی“

**تعلیم** فارسی اور عربی کی تکمیل گیارہ برس کی عمر میں گھڑی پر کرنی ششہ میں جب آپ کا والد ماجد کا وصال ہوا اسوقت آپ کی عمر پورے بارہ برس کی بھی نہ تھی لیکن ششہ میر حسب تجویز حکام ضلع آپ تعلیم انگریزی کیلئے آگرہ بھیجے گئے۔ وہاں مولوی سید محمد علی صاحب سلیس جو کالج میں ہیڈ مدرس عربی اور آپ کے خاص معلم تھے ایک یا کمال خوش فکر خوش شاعر تھے انھیں کی صحبت کی اثر سے آپ میں مذاق شعر و سخن پیدا ہوا۔ مرزا حاتم علی تھر شاگرد ناسخ مرحوم ان دنوں آگرہ میں استاد فن تھے۔ مولوی محمد علی صاحب سلیس شاعر میں مقابلہ کرتا تھا۔ آپ بھی اکثر شاعروں میں اپنے استاد کیساتھ جایا کرتے تھے۔ اگر یہ اسوقت آپ خود کچھ کہتے نہ تھے مگر طبیعت میں مذاق شاعری ابھی طرح پیدا ہو گیا تھا۔ آخر ششہ میں جب آپ پھلی شہر کہ تو وہ شوق کی آگ جو عرصہ سے اندہی اند سلگ رہی تھی عفوان شباب میں شعلہ در پو گئی **آغاز شاعری** اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ کے بہت قریب تر رشتہ کے چچا دو بھائی خیر بھی ہوئے، سید محمد منظور پٹی کلکٹر جو اُس زمانہ میں تحصیلدار فرخ آباد تھے بھول محمد وطن آئے تھے موصوف شاعری کے کمال دلدادہ و شائق تھے۔ فرخ آباد کے نامی شاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے وہاں کلب حسین خاں قزاق کے یہاں ہوا، شاعر ہوا کرتا تھا۔ وہیں کی طرح پہلے پہل غزل

جسے سید محمد ظہور صاحب نے خوش ہو کر سنا اور پسند فرمایا۔ ممدوح کے دل بڑھا۔ نے سے اور جو سملہ  
 بیڑھا اور پھر کہتے لگے لیکن اردو میں کم فارسی میں زیادہ۔ چونکہ بدوشہور سے آپ کو خواجہ وزیر مسیا  
 رشید حضرت ناسخ مرحوم کا کلام بہت پسند تھا اسی عقیدت کی وجہ سے ان کے بیٹے خواجہ یار شاہ  
 صاحب نقیر کے پاس اپنی چست غزلیں بلئے اصلاح بھیجیں۔ شاعری کا شوق بڑھتا جاتا تھا  
 اور شوق کافی ہوتی جاتی تھی اپنے جو سملہ سے زیادہ کہتے لگے اور اکثر بنارس و فرخ آباد کے  
 مشاعرہ کی طرحوں پر غزل لکھی۔ اور داد شاعری پائی۔

تبادلہ اصلاح | خواجہ وزیر کا کلام سید پسند تھا لیکن انکا وصال ہو چکا تھا انکے بیٹے سفیر سے  
 اصلاح لیتے تو ضرورت تھی لیکن ابتدا سے بعد خواجہ وزیر کے سید اسماعیل حسین صاحب شیر نگوہ آبادی  
 کے رنگ شاعری کے سید لہر وہ نئے دل میں آرزو تھی کہ اگر منشی منیر کے ملاحظہ سے کلام گزرتا  
 تو خوب تھا مگر شرم و متاع کا سد سے اصلاح لینے کی حرات نہ کرتے تھے تاہم ایک خود موصوف  
 نے توجہ فرمائی اور آپ کو شرف شاگردی حاصل ہو گیا۔ اور پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ منشی منیر مرحوم  
 کی فیض محبت و اصلاح کا نتیجہ تھا۔ ابتدا کے کچھ اشعار اتفاقاً قلم لگئے جو درج ذیل ہیں۔

جان و دل لینے پہ جسم آپ مائل ہو گئے      اک نظر میں سید منگڑوں بج جان بج ہو گئے  
 دھجیان جیب دگر بیاں کی اڑاتے کیوں نہیں      یہ مرے دست جنوں کیوں آج کابل ہو گئے

جان کیا بھلے گی جسم زار سے      خود دبی ہے لاغری کے بار سے

لاغری میری ثبات کفر ہے      ہوں مشابہ رشتہ زنا سے

شاعری کا انسداد | شاعری کا شوق بڑھتے بڑھتے ایک باگی طبیعت مذہب کی طرف مائل

ہو گئی۔ اب بجائے شاعری کے کتب مذہبیہ دیکھنے کا شوق بڑھا اور غزل شاعرانہ کی جگہ مذہبی بحث کا سلسلہ آغاز پذیر ہوا چار پانچ سال تک کتب دینی اور بحث و مباحثہ کے ایسے طبعیت سے پھر پہلی طرف پشاکھایا او کی وجہ یہ ہوئی کہ سید محمد ظہور صاحب پاشن لے کر وطن آچکے تھے اور ماہانہ مشاعرے کی بنیاد ڈال دی تھی۔ دوبارہ جو طبعیت راغب ہوئی تو مرتے دم تک شوق کم ہونا تو کیا بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ کئی بار سرکار کی اعلیٰ اسے اعلیٰ ملازمت کا حکم آیا لیکن یہ کہہ کر کہ شاعری آزاد طلب ہے۔ انکار کر دیا۔ جیسی تو فرماتے ہیں۔

شہیر آج دنیا میں اک چیز ہوتا مگر شاعری نے کہیں کا نہ رکھا  
علمی قابلیت لیوں تو باقاعدہ تعلیم کم ہوئی مگر شوق کتب بینی نے خدا داد قابلیت پیدا کر دی۔ اردو تو خیر ماوری زبان ہی ہے۔ عربی و فارسی کی قابلیت بدرجہ اتم تھی بالخصوص فارسی میں وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ اکثر فارس یا ایران کے مسافر آجاتے تھے اور اپنی شستہ گفتگو و روانی زبان پر عرش عرش کرتے تھے اور اکثر بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے کہ ہلوگوں میں کا قابل سے قابل شخص ہی آپ سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ فارسی شمر کے دو ادین قریب قریب کل نہیں تو نصرت تو ضرور بر زبان تھے۔ عربی زبان میں عبور کامل تھا اکثر مجلسوں میں بیان فرماتے فرماتے وہ عربی کے نکات بیان کر دیتے کہ سامعین ذلک راجاتے۔ ان سب کے علاوہ سنسکرت کے بہت زیادہ دلدلہ تھے اور بار بھی تھے اکثر ہندوؤں سے بحثیں کر بیٹھتے تھے۔ فن عروض میں تو وہ دستگاہ کامل تھی کہ آہرہ سا استاد فن ہار ہا کہہ چکا ہے اور بھرے مجمع میں کہہ چکا ہے کہ آج مرزا یوح کے بعد اگر

کوئی ذات ہندوستان میں ہے تو حضرت شہر کی ہے۔

تھوڑی سی شاعری ہمیشہ صاف کہنے کی کوشش فرماتے تھے اور شاگردوں کو بھی ہمیشہ ہی ہدایت تھی۔ تنقید کو بچہ برا سمجھتے تھے لیکن اگر شعر میں مجبوراً تنقید ہو جائے اور ظاہر اشعر میں کوئی سقم نہ پیدا ہو تو جائز سمجھتے تھے۔

کئی وفادیں نہ کی وعدہ وفا کر کے دکھا دیا عملاً۔ تیس سے چوبیس کما کر کے ساتھ ہی ساتھ رعایت نعلی کسی جگہ نہیں چھوڑتے پاتی تھی۔ کوئی شعر ایسا نہیں رعایت نعلی سے خالی ہوا اور یہی وجہ تھی کہ بعض شعر محض اس رعایت سے دل پسند ہو جاتے تھے۔ اعلیٰ کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی وہ کھینچے کھینچے آپ ہی تلوار ہو گئے نشست الفاظ سے بندش اتنی پست کر دیتے تھے کہ اگر کوئی لفظ کہیں سے ہٹا لیا جائے تو اسکا بدل دوسرا لفظ رکھا ہی نہیں جاسکتا تھا۔

نور کمال عشق سے ظلمت نہیں رہی آلودہ حجاز حقیقت نہیں رہی طربیان اسقدر صاف اور سچائی لئے ہوئے کہ جو کچھ بیان فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اصل خود موصوف پر گزر چکا ہے پناچہ اکیبار اپنے ایک دوست کو غزل سنائی جس میں مذاق شراب میں ذیل کا شعر بھی تھا۔

وہ تند و تیز پلائی ہے آج زاہد کو لکیر سینے پہ پیتے ہی پڑ گئی ہوگی وہ حضرت اس رنگ میں بھی رنگے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم جناب شہر آپ نے ضرور کبھی شوق کیا ہے ورنہ ہرگز ہرگز یہ شعر کبھی نہیں نکل سکتا تھا۔

مضمون آفرینی کو رہ جانے، تھی کہ مجھ سے بھلا تمہارے سے تشبہ قافیہ میں سنہوں  
 پیدا کر کے دکھلا دیتے کہ پاید و شاید ایک بار حضرت داغ کے زمانہ میں طرح ہوئی۔ آستانِ دل  
 امتحانِ دل۔ اور! استخوان کا قافیہ مشروط کر دیا۔ حضرت داغ نے تو رخ بھی نہ کیا۔ مشو  
 امیر احمد صاحب نے الیتہ فکر کی مگر وہی بالکل الگ رہتے ہوئے۔

”ہم نے کبھی سنا بھی نہیں استخوانِ دل“

لیکن جناب شہیر نے مضمون آفرینی کے جوہر دکھا دئے اور وہ شعر نکالا کہ صرف یہی کہ  
 شعر استاد کی کے لئے سند ہے۔

خلقت تھی نامتام کہ تھا صرف خونِ گوشت پیوست ہو کے تیر بنا استخوانِ دل  
 رنگِ شاعریِ الطبیعت زیادہ تر نقوص کی طرف مائل تھی۔ اشعار جو ہوتے تھے وہ قوت  
 قریب کل معرفت میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ پرانا رنگ زیادہ مرغوب تھا فرمایا کرتے تھے  
 کہ اشعار صاف ہوں اور بس معرفت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔

صورت و حدت آشکار دیدہ امتیازیں جوہرِ فردِ رونا آئینہ مجاز میں  
 رنگِ رخ جتنا اُڑا عشق کی تاثیر نے لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے  
 نود گوئی | شعر اس قدر جلد موزوں کرتے تھے کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید یقیناً  
 آئے۔ ایک بار تاقصری مرحوم مجلس پڑھنے تشریف لائے۔ بعد مجلس انہیں واپس جانا تھا  
 کسی مشاعرہ کی طرح بھی ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں ممدوح سے کہنے لگے کہ اسنو بس وقت نہر  
 ہے ورنہ جناب کو ایک غزل کہنے کی تکلیف دیتا۔ ممدوح نے فرمایا۔ مصرع طرح بتائے ابھی آپ

روانگی میں آدھ گھنٹہ پہلے۔ ناصری صاحب نے بھی بلالی ڈانگی وقت طرح تباہی اور  
نتیجہ یہ ہوا کہ چلتے چلتے پورے ستائیس شہری غزل تیار ہو گئی۔

وقت پستری : یہ خاص بات تھی کہ جس قدر مشکل زمین ہوتی اتنا ہی بہتر غزل کہتے  
تھے۔ علاوہ بریں بہت سے قیود اپنے لئے لازم کر لئے تھے منادی بلا حرف ندا کے کہی نہیں  
کہتے تھے۔ سرِ بفتح ناری ترکیب کے ساتھ اور بالکسر بلا ترکیب استعمال کرتے تھے۔ "نون  
غٹہ" بلا ترکیب ہرگز نہیں کہتے تھے بلکہ اگر ترکیب یا عطف نہ کرتے تو ہمیشہ "نون" کا اعلان  
کیا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اکثر سامنے کے مضامین جو بلا ترکیب و عطف آسانی سے  
موزوں ہو سکتے تھے آپ کو مجبوراً چھوڑ دینے پڑتے تھے جبھی تو فرماتے ہیں۔

شہیر افسوس ہے پابندی عطف اضافت نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آستین ہوتی

اصلاح | شاگردوں کی اگرچہ بھرمار تھی اور ہر شہر میں ایک نہ ایک شاگرد آپ کا ضرور  
تھاجس میں خصوصیت کے ساتھ مولوی محمد رشید صاحب سیل رئیس مچلی شہری۔ سید

محمد سلیم صاحب سلیم مرحوم مچلی شہری۔ محمد ہادی صاحب ہادی وکیل مچلی شہری۔ پنڈت

جگدھن ناتھ صاحب رینہ شوق ڈوٹی کلکٹر سیتا پوری۔ محمد زکریا صاحب رحمت لغوی کوہین

عبدالحمید خالص صاحب زیبابی۔ اے کوٹی اشتیاق احمد صاحب مشتاق سلونوی۔ حاجی مولانا

ابوالحسن صاحب حمیدری فاضل غازی پوری۔ شیخ باقر حسین صاحب قاری ممتاز حسین

صاحب ہنرم جو پوری عزیز تر تھے۔ پھر بھی ہر ایک شاگرد کی غزل کی نہایت محنت سے اصلاح

فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ غزل کے کاغذ پر غلطیوں کو لکھ دیا بھی کرتے تھے تاکہ شاگرد ہمیشہ

کے لئے متنبہ و واقف ہو جائے۔ پورا شعر بہت کم کاٹتے۔ کتا بلکہ زیادہ تر نقطوں کے  
اُلٹ پیڑ سے معنی پیدا کر دیتے یا ایک آدھ نقطہ گھٹا بڑھا کر شعر میں چار چاند لگا دیا کرتے  
تھے۔ ایک بار سید محمد سلیم صاحب سلیم یہ مطلع کہہ کر لائے

منہ دیکھی انکی باتیں ہیں دلیر نہیں جو کچھ ہے وہ ادھر ہے ذرا کبھی ادھر نہیں  
آپ نے دوسرے مصرع میں ذرا سی تبدیلی کر کے مصرع یوں کر دیا  
جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے ادھر نہیں

اب شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

منہ دیکھی ان کی باتیں ہیں دلیر نہیں جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے ادھر نہیں  
قصائیف تین دیوان غزلوں کے ایک دیوان قصائد کا۔ ایک ضخیم ناول تصنیف  
فرمایا اور آخر وقت میں ایک رسالہ بھی فن عروض میں لکھ ڈالا۔ لیکن انہوں نے کہ  
صرف چند قصائد جدا جدا شائع ہو سکے یقینہ شائع ہونا تو درکنار دو دیوان غزلوں کے  
لاپتہ ہی ہو گئے۔ کچھ قصائد غائب ہوئے۔ پورا رسالہ فن عروض کا جو طبع ہونے  
کے بعد ایک مثال ہوتا غرہ بود ہو گیا صرف ناول اور دو دیوان باقی رہ گئے اللہ  
اللہ خیر صلاح جس میں سے ایک دیوان خدا خدا کر کے شائع ہو رہا ہے مابقی  
انشاء اللہ شائع کرنے کی نیت ہے۔

آخری وقت وفات سے چار پانچ برس قبل ہی تندرستی بہت خراب ہو گئی  
تھی مائی بلڈ پریشر کا بیدار نہ تھا۔ معدہ نہایت خراب ہو گیا تھا۔ غذا بہت کم

ہو گئی تھی۔ اطباء نے شعر و شاعری کے لئے تاکید کر دی تھی کہ قطعی ترک کر دی جائے۔  
 لیکن چھٹے چھ ماہے لوگوں کے اصرار سے کہنا ہی پڑتا تھا۔ خوب جگر علاج ہوا  
 سترہ برس کے آغاز ہی میں طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی۔ زبان میں لکنت پیدا  
 ہو گئی تھی مگر قطعی جاتی رہی۔ معرہ بچن بہت کچھ دست پہ چلا تھا کہ ناگساں  
 ۱۰۔ ماہ رجب شب جمعہ گیارہ بجے خارج محسوس ہوئے۔ اپنا اٹل نکل گیا اور اسی  
 وقت چار بیٹے۔ دو بیٹیاں۔ پوتے۔ پوتی۔ نو اسے۔ نواسیاں ایسی یاد نگار ہو گئے۔  
 دار فانی سے کوچ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خادم  
 سرور ش





حضرت شہیر بھلی شہری

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## فِصِيْهِ فِي الْحَجِّ جَنَاحٍ بِهَرَمٍ وَسِرَاجًا لِّلْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُهُمْ عَلَيْكُمْ وَآلِهِمْ

حسن طبعان ہندے مکب خوانِ دل  
بڑھ گئی داغوں سے اور نزلتِ ثشانِ دل  
سوت ہے اسکی دوامِ کسے در مانِ دل  
وسعتِ کونین سے کم نہیں میدانِ دل  
کم نہیں اس کے لئے وسعتِ میدانِ دل  
راہِ غزل پر چلے توسنِ طبعِ رواں مطلع

خون سے ہر دم بھرا رکھتے ہیں ہم خوانِ دل  
درد تھا اب آبلہ بن گئے اوبھرنے لگا  
صبر و سکون و فرار ہو گئے بیگانہ وار  
فجِ خوشی منہزمِ شکرِ غم سے ہوئی  
سچ ہے کہ دیوانے کو کافی ہے بس ایک ہو  
زخمِ جگر سے کرے لطفِ نظر التیام

ناوکِ بیداد ہوں شوق سے مہمانِ دل  
میرے چھپائے چھپا کب غم نہانِ دل  
چھوٹ گئے عشق میں سب یہ عزیزانِ دل  
حیت لیا عشق میں رنج نے میدانِ دل  
نالہ زنجیر ہے باعثِ افغانِ دل  
تارِ نگہ سے سہلے چاک گریبانِ دل

ہے تو فقط وہ آہ سلسلہ زبانِ دل  
 خاک میں ملنے لگے لعلِ نشانِ دل  
 اور بھی شمشیر ہوئے دیدِ تیراں دل  
 اب ہے خرابی کا گھر خانہٴ دیراں دل  
 روح کے ہمراہ ہیں حسرت و ارباں دل  
 تنگ ہے تو آئینہٴ لوح سے بھی قرآنِ دل  
 پریوں کے جھرمٹ میں ہے آج سیانِ دل  
 ٹوٹ گئے آج سب میوہٴ بستانِ دل  
 آنکھوں سے بنے لگانوں شہیاں دل  
 نہ نہ سکا چار دن عشق میں پیاں دل  
 دل مرا اُن پر فدا میں ہوا قربانِ دل  
 شورِ عناد دل نہیں نالہٴ و افغانِ دل  
 دل سے نکلتا نہیں یوسفِ زندانِ دل  
 بھیس میں آنسو کے ہیں گوہرِ عمانِ دل  
 ہو گئی زنجیرِ پا سلسلہٴ جُنبانِ دل  
 اور بھی ابتر ہوا حالِ پریشانِ دل  
 جب سے کہ عشقِ بتاں ہو گیا ایمانِ دل

قیدی زلفِ سیاہ کی کوئی نے کیا خیر  
 عشقِ بربار میں دیدہٴ تونیا سے  
 دیکھ کر آئینہٴ قلب میں تصویرِ یار  
 عیشِ خوشی کا مکانِ آد بہت دن رہا  
 ان کا نکلتا بھی ہے جان نکلتے کے ساتھ  
 مصحفِ رسا کے عشق کا دعویٰ ہے رست  
 چھوڑ کے پہلو مرا ساتھ حسینوں کے ہے  
 پھوٹ گئے آبلے سینہٴ پرواغ کے  
 حسرت و امید کا جب ہوا قتل عام  
 ترکِ محبت کا عہد تو بے رنداں ہوا  
 جو ہو بلا گردِ یار کیوں ہوں اُس بشار  
 تابِ سماعت بہلا اُس گلِ ترکو کہاں  
 ایک گھڑی بھی خیالِ آپ کا جاتا نہیں  
 ہجر میں ہے جوشِ زنِ آنکھوں سے دیا کُٹنگ  
 وحشتِ دل قید میں اور زیادہ ہوئی  
 کاکلِ بیچانِ یار ہو گئی دایمِ بلا  
 کفر سے مانوس ہے دین سے بیزار ہے

مطلع موزوں کوئی اور سناے شہسپہر  
شن کے جسے شاد ہوا دل سے شہسپہر

پتھر دشت بڑے حبس ہوئے واناں دل  
پہونچنے کے کیا تا اثر نالہ و افغان دل  
اٹھتی ہے زہ کے ٹیس دستانہ کیوں  
غنجہ خاطر کو ہے کس لئے پڑ سردی  
بتھائیں اسی سوچ میں آگئی جو کیسی  
بہر خدا صاف صاف مجھ سے بھی کچھ کہاں  
سُن کے تباہ کما کہنے سے کیا فائدہ  
موتوں ہمدرد و یار کوئی نہیں بجز خدا  
ہے تو فقط آسرا احمد مرسل کا ہے  
شائع روز جزا حضرت خیر الوہی  
نعت نبی چھوڑ کر فکر غزل کیا ضرور  
مدحت حاضر میں اک مطلع موزوں ٹھہرا  
مطلع

آپ کی رحمت اگر ہو نہ نگہبان دل  
درس گہ قدسیاں آپ کا ہے قلب پاک  
صدر و آفات سے بچ نہ سکے جان دل  
عقل کل ادنیٰ سا ہے طفل دبستان دل

نورِ یقین ہو گیا شمعِ شبستانِ دل  
 عرش سے بھی بڑھ کے پے شان میں العینِ دل  
 مرضی اللہ ہے تابعِ فرمانِ دل  
 ہے شہہ دنیا و دین آپ کا خاقانِ دل  
 تیری محبت کی روحِ اہل میں سب جانِ دل  
 کیوں ہوں میں دُشِ حلقہ گوشتانِ دل  
 خانہ اللہ ہے آپ کا ایوانِ دل  
 مور سے کمزور ہو رستمِ دستانِ دل  
 تیری ثنا و صفت سمجھے تھے ایمانِ دل  
 تختِ جگر ہیں ترسے پارہ قرآنِ دل  
 آپ ملا دیجئے حسرت و حرمانِ دل  
 جلد بجھا دیجئے آتشِ سوزانِ دل  
 آپ سے پنہاں نہیں مطلبِ پنهانِ دل  
 رہ نہیں سکتا میں اب ست بدامانِ دل  
 اور سے میں کیا کہوں حال پریشانِ دل  
 ہاتھ لگایا جہاں ہو گیا درمانِ دل  
 قید میں کب تک ہے یوسف زندانِ دل

سرہِ مازنغ سے دیدہ باطن کھلے  
 جلوہ گراس میں خیال آپ ہی گاہِ مدام  
 ذاتِ خدا کو بھی ہے آپ کی خاطر عزیز  
 داویرِ ہر ششِ جہت مالکِ ارض و سما  
 جتنے کہ ہیں ہلِ دل بھرتے ہیں سب دم ترا  
 دل ہے الفت تری دل کی غلامی ہے فخر  
 کعبہ ہو یا لامکان دونوں سیرہ کریم ہے  
 تیری حمایت اگر دل نہ بڑھایا کس  
 گذرے ہیں جتنے بنی سب تے ملاح تھے  
 حضرت سبطین ہیں مصحفِ ناطق کے جزو  
 غیرتِ اطہار کا واسطہ دیتا ہوں میں  
 آپ ہیں ابرکرم آپ ہیں بحرِ عطا  
 مجھ سے نہ کہو اسے خود ہی سمجھ جائے  
 چھوڑ چلا دل مجھے روکنے سے کیا رکے  
 آپ جو سن لیں تو بس جمع ہو خاطرِ می  
 آپ کا دستِ شفا دردِ کامیرے دوا  
 دل میں کما تک گئے ولولہ جوشِ شوق

جہانتے ہیں آپ سب مطالب فانی الشہیر  
 عرصہ برائے شمس طرح ہو سکے قلاب حرمیں  
 دہند ہی وو کیا کہے جسمیں کہ زود لیری  
 دل کی لگی میں کمی دیدہ تر سے ہو خاک  
 عرض یہ ہے آخری کیسے ہے او جڑا ہوا  
 پانچ برس ہو چکے صبر کی طاقت ہے طاق  
 آئینہ عین ہے آہ پچھو رہا ہمارا نامی دل  
 بہ کلموں کا کار پیرا ہو نہ نہ انکسار دل  
 رکھ سے وودن کس طرح خود پہنچا ہوا ناز دل  
 آنسوؤں سے کیا تیجہ آتش سوزان دل  
 کیجئے آباد پھر حسنا نہ ویران دل  
 کاش دالام میں جاتی ہے اجان دل  
 قلب شہیر حرمیں یاس میں اب سے غمیں  
 لے شہر دنیا دہویں کھوئے حرمان دل

## قصیدہ منقربت علیٰ کلاب مولانا علی ابن اربطیالب

### موسوم بہ گل مراد

کس گھبران سے ہونے لگے ہمنار پھول  
 پتے ہیں تمکنت سے سر شاخسار پھول  
 کس کے گلے کا بہتے ہیں ہر وقت ہار پھول  
 دوش بنیم بر نہیں ہوتے سوار پھول  
 کیا عندلیب زار کے ہیں سو گوار پھول  
 دیتے ہیں درس معرفت کرو گار پھول  
 غنچوں سے راز بستہ قدرت کی ہے کشود

سیر نہا نہیں چڑھانے ہیں، بارن سیر بلند  
 کچھ کم نہیں مرے دل پر خوشی کی بجائے بہار  
 عارض کی سیر سے کہیں ہنسی نہیں سیر  
 یہ دم وجہ ہے جو رکھتے ہیں نہ صاف صبح کو  
 بوئے ہیں کاسٹے باغ میں صیاد و باغباں  
 زیر زمین سے آتے ہیں بیلے زرکبت  
 دل صاف ہو تو جلوہ عارض کی کیا کی  
 سنی ہوئی ہے آج گلستان میں کچھ ہوا  
 تربت شہید نازی خالی نہیں رہی  
 گلہائے داغ عشق کی ہر دم بہار ہے  
 ہاں لے شیر رنگ تغزل تو ہو چکا مطلع

نالی نہاغیوں سے ہیں والا و تار پھول  
 یہ سیر نہیں رنگ لالہ ہے اک افسانہ پھول  
 دم بچم ہوئے نہ واسن گچیں کو با پھول  
 شبنم سے شب کو دھوئے ہیں گرد و غبار پھول  
 بیل کی کچھ خطاب ہے نہ تقصیر وار پھول  
 لٹ جاتے ہیں جن میں غریبا لیا پھول  
 ہر دم دکھائیں آئینہ بے غبار پھول  
 جنبش ہے ڈالیوں کو تو ہیں بقا پھول  
 گل ہو سکے بن گیا ہے چراغ ہزار پھول  
 آتے ہیں سال بھر میں کہیں کیا پھول  
 اب باغ منقبت میں دکھائیں بہار پھول

کیا شاہد چمن کے ہیں آئینہ وار پھول  
 جوش نمونہ کچھ ایسا ہے اروی بہشت میں  
 فصل بہار آگئی گاشن میں عید ہے  
 جوش طرب ہے باغ میں بلبل ہے نغمہ سنج  
 کلیاں چٹک رہی ہیں گلستان میں جا بجا

دکھلاتے ہیں جو حسن عروس بہار پھول  
 ایک ایک شاخ گل میں کھلے ہیں ہزار پھول  
 پہنے ہوئے ہیں پیر بن زر نگار پھول  
 سنتے ہیں فوق شوق میں صوت ہزار پھول  
 دیتے ہیں بلبلوں کو صدا بار بار پھول

ان بن کیجی نہ تہچہ و بلبل پر ہوگا ہے  
 ہنگامہ سرور و بیمار نشا طہ ہے  
 پھولے نہیں سماتے جوانان بہشتاں  
 نوروز کا ہے روز زمانہ میں عید ہے  
 ہے خرمی کا رنگ چین میں چین چین  
 سرخوش ہیں ایسے باوہ خم قدیر سے  
 ہے کج آن کے جشن خلافت کی یہ خوشی  
 وہ جس کے دم سے باغ رسالت بانی ہے  
 وہ جس کے بوئے خلق سے کوہن برس گئے  
 وہ جس کے زور پنجہ و بازو کے سامنے  
 دست خدا و بازوئے محبوب کبریا  
 ضرغام حق امیر اُمم نائب رسول  
 یسوب دیں وقاعد عرا الجملیں ،  
 زون بتول مہر نبی - مرتضیٰ علی  
 دم بھر ہے ہیں جس کا جوانان بوتان  
 مطلع - شہیر ارجح حاضر ہیں وہ سنا  
 در پیش کیوں تجھے گل مضمون کی ہے تلاش

تجھوڑا کر پی چین تیرے گورے ہزار پھول  
 مے نوش کر یہ تلمسب یار بار پھول  
 کیا شاوہ کیا نہاں ہیں سب برگ بار پھول  
 خوبان روزگار سے ہیں جھنار پھول  
 گلشن میں باغ باغ ہیں بے اختیار پھول  
 منہ ستہ بھی اب دکاتے تیں باؤ توار پھول  
 جس کی شمیم مہر سے ہیں غطر بار پھول  
 جس کے مطیع حکم ہیں سب برگ بار پھول  
 نکرت سے جس کی پاتے ہیں برگ بار پھول  
 معلوم ہوتا تھا و رب حیر کا بار پھول  
 جس پر فرشتوں نے کئے اکثر شاہ پھول  
 گلزار دیں میں جس سے کھلے ہفت چار پھول  
 مجرے کو جس کے خم ہیں معہ شاخسار پھول  
 بھیجا خدائے جس کے لئے عطر بار پھول  
 جسکی ہوا میں کھلتے ہیں لیل و نہار پھول  
 اک تازگی کو جس کی نہ پوئیں ہزار پھول  
 بکھرے ہوئے ہیں تیرے مین و سیا پھول



چاہیں نہ آپہ تو نہ کھنکھیں ترشہ ہاں  
تس راہ سے تھیں چٹے بارے کس گیا  
دوڑیں ہی پاک پر اس طرح آپہ تھے  
رطبہ لسان نہ دست سعلی ہیں ہوں اگر  
گلشن سے پھیریں نظر لطف اگر حضور  
بیقرار ہی نہ دیدہ بلبل میں ہوں فقط  
شع رخ حضور کا پر تو جو دیکھتے پائیں  
چاہیں اگر حضور تو ممکن محال ہو  
مرضی پاک ہو تو ہمیشہ رہے ہمار  
ماہیت آپ چاہیں تو دم بھریں یہ بل  
پائیں جو حکم بھرنے لگیں دم ہزار کا  
با تھہ آئی جو خدا سے وہ شمشیر برق دم  
ایسی سبک کہ برگ گل تر سے بھی نفیست  
صاف اس قدر کہ عارض محبوب جس ماند  
ہر معرکہ میں جس نے کہ اعدا کے جسم پر  
نخل حیات کرتی تھی کفار کے قلم

دل تنگ نعل گل میں ہیں غنچہ وار پھول  
نقش قدم سے ہو گئے پیدا ہزار پھول  
جس طرح جلوہ گر ہوں شہنشاہ پھول  
ہو جائیں خشک مثل لب لہزہ وار پھول  
حاصل نہ کر سکیں کبھی عزت و وقار پھول  
آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگیں مثل خار پھول  
بلبل تو کیا ہے آپ ہوں پروانہ وار پھول  
گاوز میں کی شاخ میں پھولیں ہزار پھول  
طاقت نہ ہوں خزاں سے کبھی زہر ہار پھول  
ہو جائیں پھول خار تو بن جائیں خار پھول  
کر لیں خوشی سے جبر کو بھی اختیار پھول  
ہم سنگ جس سے ہو نیکو امید وار پھول  
تلوار ہے کہ تیغ جواہر نگار پھول  
دیکھیں جھلک تو باغ میں ہوں شہساز پھول  
گلمائے زخم سے کئے ظاہر ہزار پھول  
پھل دیتے کیا سپر کے دم کا زار پھول

خوش سے کہ باتنی ہے نام گہر دار پھول  
 کٹ چائے نہ پیچہ لینے اگر اسکی نہ مار پھول  
 قائم جو پھول پر ہو تو سمجھیں نہ بار پھول  
 بانقرض کہم سے ہوں تو سر نہ مار پھول  
 دیکھیں رہیں مہین تو ہوں نہ بار پھول  
 ہیں یادوں شاخ تل تو تم راہوار پھول  
 نرگس کو جان لے کہ پے اک بے وقار پھول  
 جس پھول پر چمے وہ ہو عالی وقار پھول  
 دکھائیں جلوہ مہ نو بار بار پھول  
 دامن میں ہے بھرے بے باو بار پھول  
 نرگس نگاہ بان ہے تو ہے چو بدار پھول

قطعہ

بہر خلیل ہو گئی کس طرح نار پھول  
 گلزارِ نقبت میں تو ہیں بشمار پھول  
 یا اور اسی طرح کے ہوں چندین ہزار پھول  
 گویا ہزار بار ہوں مثل ہزار پھول  
 کافی ہیں اس دلیف کے بہر شمار پھول

رنگیں عزاجیاں بھی سخاوت ہیں کہ نہیں  
 مٹتی باغیوں کے ٹولن سے گہرنگ اسقدر  
 تہریت کیا میں اس پر سب سیر کی کروں  
 سرپٹ بھی دوڑے تو کوئی ٹوٹے نہ پگھڑی  
 باریک جلد برگ گل تر سے بھی لطیف  
 کلیاں ہیں یا سن کی کہ اوس کی کوتاہیاں  
 ان اکھڑوں کو دیکھ لے کہوئے حیران اگر  
 ہے اس سبک زدگی میں تیرا قدر اسقدر  
 پھولوں پر اس کے فعل کا پر تو اگر پڑے  
 گلگشت کا اسی کے یہ فیض و طفیل ہے  
 فروں ہے چمن در دولت کے سامنے

احسان کش حضور کے سب انبیا رہے  
 احصائے وصف پاک سر اسر محال ہے  
 ہر شجر تر بفرض گل تر بھی ہو اگر  
 شجر بھی پڑے خلق علی کا نہ ہو بیاں  
 بس لے شہیر بس کہیں ترک ادب نہ ہو

ایسی زمین سخت میں یہ نکل آتا تھا  
 کھائے بھی نہ رہتی یہ لگاؤ کوئی نہیں  
 پھیلنا پھیلنا رہتا ہر جگہ درخت  
 حشر میں اس قسم کے کوئی بیش حق نہیں  
 گلہائے آفریں سے بھروں وہاں مراد  
 داجی علی سے یہ حاصل ہو مرتبہ

خوابیں کریں بہشت میں مجھ پر شاہ پھول



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دولت

ظاہر جہاں ہے میں ہر نفس من آگاہ کا  
دل میں دروغ عشق ہے نہ جانیں ہو نہیں اندک  
ذات ہی کیا، بلکہ کم ذات تکستی لاثر تک  
آبرف در در دل، ہے گریہ الفت نہیں  
داوی قدس اپنا صحرے چیزوں سے قیس ہے  
سچی یکساں ہے۔ طریق جستجو ہے مختلف  
یہ مرا عشق مجازی ہے حقیقی واقعی  
کس قیامت کا وہ لے اہل نظر ہوگا حین  
عشق کی سرکاریں فرق مراتب کچھ نہیں  
جلوہ گر ہے دیدہ عشاق میں حسن پاک

وہ اپنا بھرتا ہے ہر دم میں سر اندک  
یوں بالا عرش اعلیٰ تک ہے پائی آہ کا  
ذاتی ہے نقطہ سے ہر اک، نہ پائی اندک  
وہ حساب عشق کیا جس میں سر ہو آہ کا  
پاؤں کیا آنکھوں میں کہ نیتا ہوں گناہ کا  
تو ہی ہے مقصود ہر اک سا کٹ گمراہ کا  
رخ سوئے دار العظم ہے قدسیت اللہ کا  
عرصہ محشر لقب ہے جسکی جلوہ گاہ کا  
ایک تہہ ہے یہاں دونوں گداؤں شاہ کا  
جس طرف دیکھیں نظر آئے گا نور اللہ کا

ایک ہی ہیں۔ دونوں حیدر و احمد شہر  
فرق ہے لیکن مراتب میں وزیر و شاہ کا

۲۴ ماہ ستمبر ۱۹۱۹ء

نہ تیرے عہد علم انکھیں جو محبوب خدا ہوتا  
 بنی کی تمام ستیہ اور کاسا یہی کیا ہوتا  
 شب معرین اگر پر وہ بھی اٹھ جاتا تو کیا ہوتا  
 شفیق اماں نہیں تشریف لائے خیریت گندی  
 اگر کیا ہی حسن بنی پر وہ اٹھا دیتی  
 نہ لولاک اگر ہوتے نہ اہل مقصد خلقت  
 چھوڑا کر مجھ کو بندہ ہند سے شرب میں بلواتے  
 تو ایسا کون ہوتا جو حبیب کبریا ہوتا  
 برائے نام اگر ہوتا یہی تو ظل خدا ہوتا  
 خدا اک منت ہوتا اک طرف نور خدا ہوتا  
 نہیں تو تشریف ہم عاصیوں کا شکر کیا ہوتا  
 حجاب قدس کا رازہ خلا بھی پر ملا ہوتا  
 تو پھر کتم عدم میں جلوہ ارض سما ہوتا  
 تو میرا کام ہوتا یا نبی۔ نام آپ کا ہوتا

لگتا پھرتا پھیری رات دن شرب کی گلیوں میں

توے در کا فقیر لے شہ شہیر بے نوا ہوتا

یہ آنکھیں کھلیں جب سے کیا کیا نہ دیکھا  
 یہ تنہائی وشتِ غربت کی حد ہے  
 بتوں کی جگہ اور عاشق کے دل میں  
 اگر دید سے کام ہی کچھ نہ نکلا  
 ہو سے بھری اپنی چٹکی تو دھوئی  
 بڑا مان جاتیں وہ بیمار آنکھیں  
 مری چشم پڑ آب اب تم نے دیکھی  
 مگر دیکھتا جس کو چاہا نہ دیکھا  
 کبھی دھوپ میں اپنا سایا نہ دیکھا  
 یہی سنگ و شیشہ میں یا رانہ دیکھا  
 تو کیا فائدہ جیسے دیکھانہ دیکھا  
 مگر تم نے میرا کلیجہ نہ دیکھا  
 یہ اچھا ہوا تجھ کو اچھا نہ دیکھا  
 نہ کہنا کہ کوزے میں دریا نہ دیکھا

یہاں در میں کی زیارت ہونے کی وہاں پھر حرم میں کیا کیا تہ و تہیہ  
کہوں کیا شہیر اس کی شہ کی کا عالم  
کہیں میں نے ایسا چھلار نہ دیکھا

بیاس پراسکی مرے دل کا بھی دل بھر آیا جب زباں اپنی نکالے ترا نینجر آیا  
بن کے ارمان مرے دل میں وہ خنجر آیا ظالم آیا بھی تو کیا بھینس دل کر آیا  
سوئے دل شکر ہے اب ناوک دلبر آیا ایک مہمان عزیز آج مرے گھر آیا  
جب کبھی اُس نے پکارا ہے کسی غیر کو بھی بول اٹھا ہے یہ میرا دل مضطر آیا  
غل ہوا عاشقوں میں ہے وہی پہچان لیا مجمع حشر میں جب داور محشر آیا  
بنیسی میں رہی کیفیت دور شراب جام کی طرح جو گردش میں مقدر آیا  
وہ چلے جب تو نقیبانہ صدائیں دیتا اُن سے پہلے مرے گھر فتنہ محشر آیا  
عدم آباد ہے کس طرح کا دلچسپ مقام جو گیا پھر نہ وہاں سے کبھی پھر کر آیا  
خجور کوثر کے بھلاوے میں نہ آئی گئے تونے۔ اے شیخ کہا۔ اور انہیں باور آیا

سامنا تھا جو کسی تونے خود آرا کا شہیر  
عکس بھی آئینہ میں ٹھٹ بدل کر آیا

جو بام پر وہ بستو بے نقاب آئیگا نکل سکے گا نہ سورج حجاب آئیگا  
ہزار پیری میں رنگ خضاب آئیگا مگر نہ کام یہ نقلی شایاب آئیگا  
کیو تر اے دل مضطر شتاب آئیگا ٹھہر ٹھہر۔ مرے خط کا جواب آئیگا

ابھی آصف از چین کی ٹوئیں کھٹکتی  
 ہمارا آئی تو۔ تو یہ ضرور تو سنے گی  
 عتی عتی نہ ہوں گرمی دسل سے کیونکر  
 کبھی تو جذبِ بیت اثر دکھائیگا  
 مزد جب آئیگا جس دم شباب آئیگا  
 کبھی نہ چین سچھے بے شراب آئیگا  
 بڑھیکا جوش تو کھینچکر گلاب آئیگا  
 کبھی تو خط کا ہمارے جواب آئیگا

خبر پہ تیجے میں اُس رشک گل کی آمد کی  
 شہیر پھولوں میں میرے گلاب آئیگا

عرش وہ آستان ہے گویا  
 اب خمایے سے ہو کا عالم ہے  
 ظلم اس کا عروج پر اب ہے  
 کیا دھواں چھارہا ہے آہوں کا  
 کتنی پیاری ہے نازی تیری  
 بیستی ہی ہماری ہستی ہے  
 تم اگر ہو تو لطف دنیا ہے  
 ذکر حوروں کا ہے مرے آگے  
 لب خاموش سے نہیں چلتی  
 تیر کرتا ہے خاطریں دل کی  
 تیر سا تھا جو قد شہیر کبھی  
 گھر میں کرسی کی شان ہے گویا  
 گر کے گھر لا مکان ہے گویا  
 پیر گردوں بنوان ہے گویا  
 یہ بھی اک آسمان ہے گویا  
 ناتوانی کی جان ہے گویا  
 بے نشانی نشان ہے گویا  
 جان ہے تو جہان ہے گویا  
 یہ مرا امتحان ہے گویا  
 لاکھ منہ میں زبان ہے گویا  
 اُٹے خود میزبان ہے گویا  
 اب وہ جھک کر کمان ہے گویا

تعمیر و تعمیر آتش فشاں سے کیا  
جیسے ندی کے کبھی نہ پتہ نہ رہے کیا  
ہمیشہ وہ تھی سے دور دور میں سے کیا  
زیادہ کیف شراب طور میں سے کیا  
قریب دل جو تھے انکو بھی دہلی سے کیا  
یہ مشاہدہ تار و نور میں سے کیا

نگاہ سے نہیں ہنسنے ضرور میں سے کیا  
آبی سے بھرت چھا کر دیا ہر سے کیا  
کبھی نہ زراہ یہ اعظم کو پاس آئے دور  
نگاہ پاک کی مستی ہوئی نہ دید میں کم  
تہرہ صبر گئے آؤ ہر گئی فلویت  
کسی میں شائبہ پایا نہ حسن جاناں کا

ہمیشہ سے ہوں تعمیر اپنی بات کلیں دہلی

کما جو نہ سے اُسے بالضرور میں سے کیا

مشاعرہ رائے بریلی ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۳ء

آرزو تھی یہ گلا اور وہ خنجر ہوتا  
کسی خوش قد کے اگر پاؤں کی ٹھوکر ہوتا  
میرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا  
میرے پھولوں میں جو دوری دسرا ہوتا  
جھوٹے دعووں سے نہیں کوئی تعمیر ہوتا  
ایسے ہونے سے نہ ہونا کہیں بہتر ہوتا  
ٹپڑے تم بہتے تو سیدھا نہ مقدر ہوتا  
خوشو تعقید کا جن کو نہیں کچھ ڈر ہوتا

نہ دم فوج کوئی شور نہ کچھ شر ہوتا  
اور بایںہ تو اے فتنہ محشر ہوتا  
اپنے آپ سے جو اس بزم میں یاہر ہوتا  
خوش مزاجی کی ہوا بزم مزاجیں بندھتی  
اس قدر لاف زن لے بت ترا فاصد کیوں  
نیستی ہی کے لئے جب تھی یہ مانی ہتی  
دل نہ مل جاتے تو کیوں صلح سے اکھیلیں تیں  
اچھے بہتے ہیں غل کوئی میں مجھے وہ کہیں



غزلِ فقیرِ یہ طرزِ مرسلہ پہل کر لیری ۱۲ مئی ۱۹۱۶ء

مے دل کو نہ کوئی اور آریا ہے خدا دینا      گزرو غمِ عشقِ محمد صمصفا دینا  
 اچھی غتچہ افسردہ خدا طر کھلا دینا      مجھے اپنے حبیب پاک کا روضہ کھلا دینا  
 غلام اُسکا میں ہوں جس کا لقب سلیحِ وطن ہے      فرشتہ مرتے دم قرآن کی مجھ کو ہوا دینا  
 یہاں دنیا میں اپنے عشق سے جلعِ عزت ہی      وہاں بقی میں ہی اے بادشاہِ وہ سرودینا  
 عجب لٹکا تجھے یہ یاد ہے اے زلفِ پیغمبر      پھنسا کر اپنے میں بندِ خلافت سے چھڑا دینا  
 یہی دو چیزیں قسامِ ازل سے میں نے مانگی تھیں      دل درو آشنا و عشقِ محبوبِ خدا دینا  
 مدینہ کے سفر کا کب سے نجاتِ نقتہ عازم ہے      زرا اے نالہ شب گیر اسکو بھی بگا دینا

فقیرِ عشقِ پیغمبر ہوں میں دیوانہ الفت

صدایہ گلیوں میں پھر پھر پھر پھر بنا دینا

۱۲ مئی ۱۹۱۶ء

نہ اپنے کشتہِ رغبت و غضب کو تم بھلا دینا      بجائے محلِ محد پر آ کے تیوری ہی چڑھا دینا  
 اجی تم عرصہ محشر کو بھی مقتل بنا دینا      وہاں بھی ہاتھ سے اپنے نہ نشیرا دینا  
 تیری رفتار بھی اے فتنہ قامت کی قیامت ہے      گزرتا جس طرف ہنگامہ محشر مچا دینا  
 مراد مگھٹ رہا ہے گرمی شوقِ شہادت کا      ذرا نشیر کے داس کے قاتل ہوا دینا  
 فقیرِ عشق و الفت ہوں مرا تو یہ وظیفہ ہے      کسی کے پیارے منہ کی گالیاں کھا کر دعا دینا  
 ضرورت کیا میں کیوں منت کشِ شوقِ قیامت      لگا کر ایک ٹھوکر قبر سے مجھ کو اٹھا دینا

یلائے سے تھکائے کیا بچہ پہر لپٹ لے  
نرا بڑھکے ہاتھ تیرے نہ کو حمل دینا  
حضورِ داد و محشر بیانِ واقعاتی میں  
کبھی کبچہ کہہ لی جہاں میں تیرے ہم جیتا دینا  
یڑھا ناچوڑیاں ہرگز نہ پیائے پایے ہانگی  
ہمائے لوگ میں اس رسم ہی کو تم اٹھا دینا

شہرِ میر چشمِ دریا بار سے اپنی یہ حالت ہے  
جہاں جا بیٹھنا دم بھرو ہیں طوفان اٹھا دینا  
طرح غنچہ جاوید ماہ اگست ۱۹۷۴ء

زیادہ سارے سماں کچھ نہیں لے باغیاں میرا  
بنا ہے چارنگوں سے چن میں آئیاں میرا  
شبابِ یوفا کی کس سے لے پیری تیر متی  
پھر اب تک نہ جا کر قاصدِ عمر رواں میرا  
وفاداری کے جوہر آپ ہو جائینگے آئینہ  
تھیں خود حال کھل جائیگا وقت امتحان میرا  
رواں ہے قافلہ اشکوں کا ہر دم ختم گریاں سے  
چلا جاتا ہے روز و شب برابر کارواں میرا  
اٹلے عرضِ مطلب میں غضب کی کامیابی کا  
عجب حسنِ طلب رکھتا ہے اندازِ نفاں میرا  
تفاوت ہے زمین و آسمان کا بحرِ و نحوست میں  
خیالِ حسن و عشق لے دل کہاں اُنکا کہاں میرا

شبِ فرقت کا سویا شورِ صبحِ شہر سے چونکا  
شہرِ میر اس سے زیادہ ہو گا کیا خواب گراں میرا

غنچہ جاوید ۱۴ ستمبر ۱۹۷۴ء

تا دامنِ جاناں وہ رسا ہونیں سکتا  
جو ہاتھ کبھی دل سے جدا ہونیں سکتا  
ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہونیں سکتا  
ہو لا کھ۔ مگر عہدِ وفا ہو نہیں سکتا

سایہ سے بھی میرے ہے اثرِ ضعف کیانکار  
کیوں قتل کے افرامیں تم کو بے تامل  
پریکان سے تیرا کپڑا پست ہے دل میں  
آزارِ محبت تجھے لے چارہ گرو ہے  
کیا داؤدِ محشر سے کروں شکوہ بیداد  
دل تم سے لگا کر میں کسی اور کو چاہوں  
دشوار یہ ہے دل نہ بچھے آہ کشی میں  
صورت ہی بنا دیتی ہے ہر آن کو مشکل  
نخوت کا اودھر ڈھنگ اودھر عجز کا آہنگ  
قاتل سے جو مل جائے وہ قاتل ہے کہ دل ہے

باز آئیے پیری میں تو اس بواہوی سے

اب بھی یہ شہیر آپ سے کیا ہونیں سکتا

مطبوعہ باغ سخن ماہ جولائی سنہ ۱۳۵۷

لے اجل آ۔ فراق یار میں آ  
کیا ترا کام وصل میں لے نیند  
کھتی ہے پائے شوق سے وحشت  
جیتے جی سیرِ خلد کر لے شیخ  
کب سے ہوں تیرے انتظار میں آ  
ہاجر میں کلمہ مرے مزار میں آ  
سوئے صحرا ہوائے خالی میں آ  
آمرے ساتھ کوئے یار میں آ

لمے غم مرگب آرزو نہ بھٹکے      تو مرے قلاب سو گواہیں آ  
 جس طرح آتی ہے خوشی دل میں      نہیں اسے سرت ہیر پاریں آ  
 اُن سے قول و قرار ہوتا ہے      اب تو اسے دل زرا قرار میں آ  
 کنج عزت سے لمے شہر نکل  
 بزم رندان بادہ خوار میں آ

غزل مشاعرہ آگرہ ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء

دم آج زیرِ خنجر متا تل نکل گیا      سب عمر بھر کا حوصلہ دل نکل گیا  
 ٹھہرانہ دل میں ناوک قاتل نکل گیا      مہمان گھر میں ہوتے ہی داخل نکل گیا  
 آخر کلیم لانہ سکے تاب برق طور      جتنا تھا زعم دعویٰ باطل نکل گیا  
 نور جمال یار کہاں آئینہ کہاں      حیران ہو کے مد مقابل نکل گیا  
 تم نے اداے حسن میں ہمدردیاں کیں      قابو سے میرے اور مرا دل نکل گیا  
 بہر عیادت آئے وہ بعد اجل تو کیا      جو وقت تھا مرے لئے مشکل نکل گیا  
 خطا دیکے اُن کے نام کا میں خود ہی شوق میں      ہمراہ نامہ بر کئی منزل نکل گیا  
 میری گلی سے شب کو نہ گزرا وہ رشک باہ      کترا کے راستہ مہمہ کامل نکل گیا  
 آنسو کی اب تری بھی پلک پر نہیں ہی      دریائے اشک چھوڑ کے ساحل نکل گیا  
 حیرت نہ کیوں ہو واعظ ناداں کی علم پر      کیسا پڑھا لکھا ہوا جاہل نکل گیا  
 خون جگر کو پی کے ہوا ہو گیا وہ تیر      مطلب جب اُسکا ہو گیا حاصل نکل گیا

مقتل میں نقشِ کشتہ پیمیں پڑی ہی بسسلِ تیرہ گیا دم بسسلِ نکل گیا  
پہروں ہمارے کہ چہ جنتِ دہاں رہی جس راہ سے وہ حورِ ثنائیل نکل گیا  
اقرارِ فرج کر کے نہ وعدہ کیا وفا دیکر زبانِ خنجر قتل نکل گیا

قال رخ نگار جسے جانتے تھے ہم  
آخر شہسیر آنکھ کا وہ تل نکل گیا

آئینہ خانہ میں جب وہ جلوہ آرا ہو گیا عالم وحدت میں کثرت کا تماشا ہو گیا  
آستینیں فیضِ چشم تر سے موجیں بن گئیں اشکوں سے دامنِ مرا دریا ہو گیا  
خاکساری سے صفائی قلب کے جوہر کھلے راکھ کے ملنے سے آئینہ مصفا ہو گیا  
آج وہ بے چارا بیمارِ محبت چل بسا تم جسے کل تک سمجھتے تھے کہ اچھا ہو گیا  
درو دل کو ساتھ لیکر بزمِ جاناں سے اٹھا بیٹھے بھٹلائے خدا جانے مجھے کیا ہو گیا  
ذکر پر حجابِ ابرو کے جھکا سرِ شوق میں آیتِ سجدہ کو سن کر فرضِ سجدہ ہو گیا  
زرد چہرہ لبِ پرگہر آنکھوں میں آنسو دلیں درد چارہ ہی دن میں یہ کیسا حال میرا ہو گیا  
بہتے بہتے بوند بوند آنسو کے سیلاب آگیا قطرہ قطرہ جمع ہوتے ہوتے دریا ہو گیا

ہو گئے مشورِ حسن و عشق سے دونوں شہسیر

پیرِ جگہ چہ چامرا اور اُن کا شہر ہو گیا

بر طرحِ فرماشی قلم برداشتہ جولانیِ خلافت

دل نے سوز و غم و افقت کا سبق سیکھ لیا مطلب و معنی مضمونِ ادق سیکھ لیا



ترزاں سب صفت ابرکرم میں ہیں جیسی اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا  
 جس میں جس میں صفت بود و عطا ہے یارِ با اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا  
 سب یہ تصنیف میں اس طرح کے معنی کی شہیر  
 اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا

۱۰ اگست ۱۹۷۷ء

جمالِ شاہدِ کیتا کا جلوہ یار میں دیکھا جو رنگِ حسنِ اعلیٰ ہے گلابِ رخسار میں دیکھا  
 تماشا یہ دمِ نظارہ دیدار میں دیکھا کہ اپنا عکس اُس آئینہ رخسار میں دیکھا  
 برابر ہی ہے حقِ عشق میں تعدادِ حروف کی فقط و اوقات کا فرق نور و نار میں دیکھا  
 کرم میں بھی جینوں کے ستم کی جنبہ داری ہے دل آزاری کا یہ سو بھی تو نیکر پیا میں دیکھا  
 دماغِ شیعہ تھا پر نور شب کو جا یاد ہے چراغِ اک ہم سے روشن لہجہ رخسار میں دیکھا  
 ازل سے دیدہ مشتاقِ جن طے کے ہو یا تھے مجھِ مہتاب اس کو جمالِ یار میں دیکھا  
 چھپائے سے کہیں حسنِ بہاں افروزِ جیتا ہے اُسی کو نور میں دیکھا اسی کو نار میں دیکھا  
 لہو میں لاکھ ڈوبے خون کا دھبہ نہیں آتا یہ جو ہر بھی تھاری تیج جو ہر اڑ میں دیکھا  
 نہیں ہیں مانعِ صحرانوردی پاؤں کے پھلے تمہارے وحشیوں کو داوی پچار میں دیکھا  
 عیاں ہے پرودہ داری میں بھی شانِ جلوانی تماشا ہے حجابی کا حجاب یار میں دیکھا

تو ہیں جس شہیر اکھیں کسی خوشیِ طلعت

شعلہ مہر کا عالمِ نظر کے تار میں دیکھا

بہارِ سحر

نہ نقابِ رخ کو جس نے کبھی بہشتِ خواب الٹا  
 وہی ساتھ سوئے غمِ رنگہ ہو رہی خمارِ الٹا  
 ہوا خط کا سہ ہی جانا سببِ قناب الٹا  
 کہ طلب ہے نامہ پیسے کے اب جواب الٹا  
 تری ٹھنڈی گرمیوں نے مجھے خوب ہی جلایا  
 تری سحرِ ہریوں سے ہوا دل کا باب الٹا  
 میں دعائیں بھی گردوں تو وہ گالیاں سنائیں  
 ہو سوال لاکھ سیدھا تو لے جواب الٹا  
 مرے خط کو چاک کر کے دیا نامہ کو اس نے  
 کہا جا اسی کو لے جایا ہے عذاب الٹا  
 تری دیکھ کر جو اتنی یہ مجھے بھی جوش آیا  
 کہ ہوا یقین مجھ کو مرا پھر شباب الٹا  
 شبِ روزِ زیرِ بالا ہوا کرتا ہے ازل سے  
 گرے فلک نہ اتنا کبھی آفتاب الٹا  
 کہا مجھ کو جس نے جو اسے چپکے سن لیا سب  
 کبھی بھول کر کہنے کو نہ دیا جواب الٹا  
 نہ ادا ہو قرض الفت کوئی لاکھ نقد جانے  
 یہ ہے دفترِ بیت کا غیبِ حساب الٹا  
 چوئے مست بے چہرے ہم جو گھٹائیں گلی اٹھیں  
 نہ ملی تو لفظِ بارش کو پئے شراب الٹا  
 وہاں کنی لطفِ بچیاں میں قیاسِ شانہ کش ہے  
 وہاں ہوا ریا ہے دل کو مے پیچ و تاب الٹا  
 مرے بخت و اثر گوں کی یہ شہیر ہے برائی  
 کیا کام بھی جو اچھا وہ ہوا خراب الٹا  
 شہِ مشرقین حیدر نے شہیرِ جب بلایا  
 تو غروب ہو کے مغرب سے پھر آفتاب الٹا

۱۰ نومبر ۱۹۷۷ء

میں تو دونوں طرح منت کش تیرا ہوتا وہ اک کے دل میں تہا کہ جگر کے پار ہوتا



تری رحمتوں کا کس منہ سے امیدوار ہوتا  
 اگر اور جذبہٴ دل مرا زور دار ہوتا  
 جو نہ امتِ معاصی سے نہ اشکبار ہوتا  
 یہ تھی مفسقِ تاوک رہا دل میں جو ترازو  
 اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی  
 جسے رہتا رحمتِ حق سے غروبِ نیامی  
 نہ نصیب ہوتا سایہ کبھی وادیِ جنوں میں  
 نہ وہاں زخمِ ہستے نہ میں پھوٹ پھوٹتا  
 ہوا خوب جذبِ دل نے ترے تیر کو جو روکا  
 وہی ہاں نظرِ نظر تھی مرے دل سے جو گزرتی  
 مرے قلبِ مضطرب کا تو مار چرخ پر تھا  
 مرے دل میں خارجِ صرحت کی کھٹک ہی کیوں ہوتی  
 جو وہاں زخمِ دل میں نہ زبان بنتا خنجر  
 مے اک کر اپنے پر تو ہے اتہامِ نالہ

جو نہ روسیاد یا ریب میں سیاہ کار ہوتا  
 تو نہ لپٹے گھر میں دم بھر بھی انھیں قرار ہوتا  
 تو شہیر میرا بیڑا بھی کبھی نہ پار ہوتا  
 کہ خلافِ عدل ہوتا جو جگر کے پار ہوتا  
 تو نہ سوزِ غم بھی۔ دل کا ترس ٹکسار ہوتا  
 وہ گناہ بھی نہ کرتا تو گناہ گار ہوتا  
 جو شجر بھی کوئی ملتا تو وہ خار دار ہوتا  
 نہ جگر کا خون بہتا نہ میں اشکبار ہوتا  
 نہیں پھر نہ ہاتھ آتا جو جگر کے پار ہوتا  
 وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا  
 جو اُسے سکون ہوتا تو اُسے قرار ہوتا  
 کوئی تیرے سنگم جو جگر کے پار ہوتا  
 تو نہ مازِ دستِ قاتل کبھی آشکار ہوتا  
 کوئی اور اٹھتا طوفاں اگر اشکبار ہوتا

دمِ نزع ایک بچکی سے نہ آہ ٹوٹ جاتا  
 جو شہیر کچھ بھی تارِ نفس استوار ہوتا

## جنوری ۱۹۵۵ء

چشمِ جانیں نے مرثیہ غم کو اچھا کر دیا  
 دل سے نالوں نے نکل کر فاش پروا کر دیا  
 رُوح کے اس محفل میں رازِ عشق افشا کر دیا  
 جامِ مے منہ سے لگاتے ہی ہوئی بیکِ سرخ  
 یا وہ عزت تھی مری یا اب ہے یہ زلت میری  
 انکی آندھن کے یوں گھر میں کیا اندازِ شوق  
 رات کو کیوں میرے گھر آنے کی کھا بیٹھے قسم  
 حسنِ پردہ درتھا رازِ عشق بے پروا مرا  
 دیکھنے ہی سے ہوس بھی دیکھنے کی بڑھ گئی  
 ایک دل ہی تو رفیقِ راہِ غربت تھا مرا  
 جوشِ گریہ میں بھی اک آنسو نہ پکا آنکھ سے  
 یہ نہ سوچا ہے نظرِ بازی میں خطرہ جان کا  
 ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا دعوتِ غم کے لئے  
 کس طرح ٹھہرایا لے قاتلِ دلِ بیتاب کو  
 خیر دلِ لیجاؤ مجھ بیکس کا والی ہے خدا  
 یہ شرارت تھی شبِ غم کی کہ میری نبض نے

مردمِ دنیا کو سب کا سب بہا کر دیا  
 خود بخود رسوا ہوئے تھے کون بھی نہ سوا کر دیا  
 چار ہچستہ دلوں میں ان آنکھوں نے سوا کر دیا  
 مجھ کو اسے ساتی سب ساغر نے گویا کر دیا  
 عشقِ انسانیت نے کیا سے مجھ کیا کر دیا  
 کھول کر ہر درد کو آغوشِ تست کر دیا  
 ہائے یہ اندھیر کیا اسے ماہِ سیما کر دیا  
 مل سکے ان دونوں نے ہم دونوں کو اکٹھا کر دیا  
 شربتِ ویدا رہی نے اور سیسا کر دیا  
 اُس سے بھی تم نے چھڑا کر مجھ کو تنہا کر دیا  
 بند میرے ضبط نے کوزے میں دریا کر دیا  
 شوقِ بے حد نے مجھے الفت میں اندھا کر دیا  
 صرف گریہ میں نے سب خونِ تنہا کر دیا  
 کون سی بوٹی تھی کشتہ جس سے پارا کر دیا  
 دیگا وہ نعم البدل تم نے تو تنہا کر دیا  
 دستِ عیسیٰ کو جلا کر دستِ موسا کر دیا

یارِ احسان اور مرخص پر ہمارے کچھ دینا  
 تم جتنا کرنا چاہو اس کے لیے دل بھرا کر  
 میری سزا ہو، میری سزا ہو، میری سزا ہو  
 میری سزا ہو، میری سزا ہو، میری سزا ہو

پہلی

دل نے کڑوا کر دیا، دیکھا  
 کیوں پھر مجھے لے کر نہیں دیکھا  
 بے جہاں نے کو چھ جاناں نہیں دیکھا  
 رستہ نہ ملا اس کو بیابان جنوں سے  
 بڑھ کر کبھی شیخ بنا تا ہے یہ باتیں  
 جس دشت میں تھا رہنا، دشت الفت  
 مگر وہ کہیں سے بھی ملا دشت جنوں کو  
 دامنوں سے ہے کیا تنگ ہیں یہ دل جشی  
 بھولا ہوا ہے شیخ حرم اپنے حجر پر  
 اس نے ابھی سنگ درجاناں نہیں دیکھا

جڑ اس بت کا فریہ شہیر اکھوں کے

غارت گردیں رہزن ایماں نہیں دیکھا

جنوری ۱۹۲۷ء

فراق و تن کیا ہے وصال یا رہ جانا  
 خوشی عشق کیا ہے جان سے بیزار ہو جانا

نہ میرے سر سے ہر لے ناتوانی یار ہو جانا  
خوشی سے توڑا لولہ آپ اپنے دوڑا لولہ کو  
خود ہی سے گر کر بنا یہ تیرا دل عشق و الفت کا  
تھکائے تیروں کو روکے ہوئے ہے جذبہ فطری  
کہنی پوچھے نہ پوچھے لے نگاہ دہسین تجھے سے  
لئے دل دوڑے آتے ہیں خریداروں کا مجمع ہے  
شباب کیا تو آیا تھا مگر شوق نے آفت کی  
یہ سمجھا کر سلایا موت نے تجھ کو شبِ فرقت  
ہیو بچا دل ترس آیا۔ چلے آئے عیادت کو

ہیں عرجا ہوں تیرے ہمارے ان کی بار ہو جانا  
جو ممکن ہو حسین کے گھونڈا نہ ہو جانا  
حقیقی معنوں میں شہناش ہے شہناش ہونا  
نہیں کچھ دل کی طلب و ہجر کے پار ہو جانا  
مگر تو تر جہاں سہرت دیدار ہو جانا  
مبارک آپ کو ہو یوسف بازار ہو جانا  
وہی تلوار کیا کم تھی پھر اُس پر دھار ہو جانا  
طلوع صبح محشر ہو تو تم ہی سدا ہو جانا  
مبارک ہو گیا ہجرت کو مرا بیسار ہو جانا

اگر تم کو شہیر ایسا ہی شوق پائمالی ہے  
تو اپنے کو مٹا کر خاک راہ یار ہو جانا

جولائی ۱۹۲۷ء

یہ کہاں لایا کہاں سے پھیر مجھ کو راہ کا  
جانتے ہیں اہل درد لے عشقِ ربیہ آہ کا  
عالم غربت میں کافی ہے یہی رختِ سفر  
آسرا عمرِ دور و زہ کا پئے طولِ اہل  
قمر میں تہ تک پہنچ سکتی نہیں سطحی نظر

آگیا بیتِ خانے میں تھا قصیدتِ اندک  
یعنی حرفِ اول و آخر ہے وہ اندک  
زیبِ تن پیرا ہنِ خاکی ہے گردِ راہ کا  
اور مٹتا ہے سر سے تاپا چادر کو تاہ کا  
ہے محیطِ عشق میں دشوار۔ پانا تھاہ کا

خوارش پہل غریبوں کو بکبکوں پر پڑا ہے  
 شہزادے سے لونا اور انصاف سے شہزادے سے  
 رہتا افرار ہو گیا اسے باقی نہ ہو سکن  
 کیوں نکیریں آگے بہترین بگاتے ہیں مجھے

تھا اجوائی میں کچھ ارمان جیسے سیاہ کا  
 بندہ ہے زام ہوں طالب نہیں تنخواہ کا  
 سا فرٹ دیکھ کتنا تیرا بسم اللہ کا  
 سونے دیں بھر نیندا بھی ہے کسل باقی راہ کا

موت کی تلخی بھی ہے اسکو گوارا ہے شہید  
 پڑ گیا چکا جسے ذوق فنا فی اللہ کا

اعلیٰ ہے زین مشرب زندان ہمارا  
 وحشت سے بھرا ہے دل دیوانہ ہمارا  
 وہ دیکھ کے بجلی کی چمک کالی گھٹائیں  
 دو واقعے ہیں مختلف اوقات کے کیساں  
 وہ حسن میں ہیں فرد تو ہم عشق میں کیتا  
 آتا ہے ترس انکو مرے حال زبوں پر  
 گھر آچکا جب دل ہے تو یہ دل ہی ہے معبد  
 شب بھر نہ تھے دیدہ پر آب سے آنسو  
 ہے جلوہ معشوق ازل حسن تباں میں  
 ساقی تنگ ظرف سے کھدو ختم لے لئے  
 باہر حد کو نین سے صحراے جنوں ہے

کیوں کا سہ گردوں نہ ہو پیمانہ ہمارا  
 آبادی سے باہر نہیں ویرانہ ہمارا  
 کہتے ہیں یہ ہے جلوہ مستانہ ہمارا  
 ایک قیس کا قصہ ہے اک انسانہ ہمارا  
 دونوں میں کہیں مثل نہ انکا نہ ہمارا  
 کہتے ہیں یہ بیچارہ ہے دیوانہ ہمارا  
 کعبہ نہ ہمارا ہے نہ بت خانہ ہمارا  
 تا صبح چھلکتا رہا پیسا نہ ہمارا  
 آباد اب تک رہے بت خانہ ہمارا  
 کوزوں سے نہیں بھرے کا پیمانہ ہمارا  
 عالم ہی جدا رکھتا ہے ویرانہ ہمارا

فردوں میں نہیں شوق ویرانی کے ہم نئے  
مذہب ہے شہسواران سے جدا کائنات ہمارا  
۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء

جو عالم گیر تیرے عشق کا آزار ہو جاتا تو یہ فرشتے میں سب سے بیمار ہو جاتا  
نہ مجھ پر شاق اگر اتنا فراق یار ہو جاتا تو قبل از موت میں کیوں مرے کو تیار ہو جاتا  
اگر پھولوں میں آئے تھے تو چار آنسو بہا لیتے مری بزمِ عزاکا بھی مال کار ہو جاتا  
یقیناً خاک کا ہرزہ تارا آنکھ کا بتا اگر میں پا مال حسرت دیدار ہو جاتا  
جو دنیا میں نہیں ممکن تو شہسوار ہی چھا کہیں پورا کبھی تو وعدہ دیدار ہو جاتا  
اہل نے مشکلیں آسان کر دیں سو فرت کی نہیں تو ہجر میں جتنا مجھے دشوار ہو جاتا  
جو وہ آتے تجلی طور کی گھر میں نظر آتی اے کچھ اور ہی رنگ درو دیوار ہو جاتا  
اگر دو گھنٹ مجھ کو بادۂ عرفان کے مل جاتے

شہسوار اس مستی غفلت سے میں ہشیار ہو جاتا

کفر و ایمانوں سے تا وقت آخر کام تھا دل میں تھی یاد بتاں بے پر خدا کا نام تھا  
جس کا ٹٹنا غیر ممکن جس کا سننا ناگزیر وہ اجل کا وقت تھا وہ موت کا پیغام تھا  
بے خودی میں ہوتے کیا اسم و سما آشنا نام سے بیگانہ میں بیگانہ مجھ سے نام تھا  
اے ہی صبر آزمائوں سے شکیبانی کی داد لے کمال صبر کیا کہنا یہ تیرا کام تھا  
ہو گئی تھیں جمع دنیا بھر کی آخر حسرتیں اک جہان آرزو میرا دل نامکام تھا

مرضی مطلب کے لئے خود بھی ہرزہ کھڑا تھا  
 کہہ رہی بیٹی میر تھا آپ ہی بیٹیام تھا  
 نانا شہید اوس میں مست بارہ خم غدیر  
 ساقی کو ترکا مرتے دم بھی لب پر نام تھا

### نمبر ستر

نرمہ سنجی کا مرغان چمن میں جوش تھا  
 صبح دم جو گل جہاں تھا وہ ہرگز نہ تھا  
 کردیا نور جمال یار کو برق جلال  
 ایک جلوہ طور کا غارت گر صد ہوش تھا  
 دیتا کاندھا کیا مرتے تابوت کو وہ نازیں  
 جس کو بار سایہ کا کل وہاں دوش تھا  
 صبح رنعت اُنکے جانے سے چوپیلے چلے  
 وہ دل بیتاب کا صبر اور میرا جوش تھا  
 شب جوانی کی کٹی پیری میں آیا خواب مرگ  
 مہم گویا چراغ زندگی خاموش تھا  
 گرم صحبت دونوں تھے فحشاء تو حید میں  
 حسن ساقی تھا اگر تو عشق بادہ نوش تھا  
 دینے لگتی تھی سو خود پھٹ کے لگائے جنوں  
 فصل گل تھی خون میں سودا یوں کے جوش تھا  
 خاک آزادی سے کرتا سیر مہرائے جنوں  
 ہر قدم پر تو بچھا دام فریب ہوش تھا  
 پھول زخموں کے کھلے تھے میرے اعضا پر تھیر  
 میں سراپا فیض تیغ ناز سے گل پوش تھا



# رولیت پ

سنہ ۱۳۲۰ء

چاند کیا ہو گا رنج پر نور قاتل کا جواب  
 وصل میں مل کر مراد مل ہے ترے دل کا جواب  
 اپنے منہ پھر پاتا تو لیتے یہ وہاں زخمِ دل  
 سرخ و رنگِ حنا ہے دستِ قاتل چوم کر  
 خونِ ناحق کی مرے دنیا میں کیا پرسش ہوئی  
 نوجوانی نے لگائے اور تم میں چار چاند  
 اپنے عاشق پر سبھی معشوق کرتے ہیں ستم  
 یوں تو ہر اک اپنے پہلو میں لئے پھرتا ہے دل  
 جو تمہارا گھر ہے وہ کوئین میں بے مثل ہے  
 تم ہو جس دل میں نہیں دنیا میں اس کا جواب

دیکھنا سوزِ محن سے بڑھتے بڑھتے اے شہسپہر

میرے دل کا آبلہ ہو جائیگا دل کا جواب

خونِ ناحق میرا ٹھہرا سہمی باطل کا جواب  
 حشر میں مقتول کو سو جہاں قاتل کا جواب  
 منزلِ قرآن نہیں ہے اُن کی منزل کا جواب  
 اُن کا گھر ہی جہنمِ دل ٹھہرا تو کیا دل کا جواب



نزدوں کی بھیبی آپ اپنی ہے مثال  
 اک ہلال عید قرباں ہے سودہ بھی چرخ پر  
 بادہ خواری میں بھی ہے جلوہ صفائی فلک کا  
 انجمن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان  
 بحث کرا حرمت میں ہے اعطیے قبول  
 وصل ہاں ترک ادب کے خوف نے شوار ہے  
 وہ اگر بجلی گراتا ہے تو یہ افلاک کو  
 پھوٹی قیمت ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل کا جواب  
 کوئی دنیا میں نہیں شمشیر قاتل کا جواب  
 صوفیو میناے ہے شیشہ دل کا جواب  
 اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب  
 جز نموشی اور کیا ہے ایسے جاہل کا جواب  
 ورنہ ہے آسان اُس ارشاد مشکل کا جواب  
 رعد کیا ہوگا ہمارے تالہ دل کا جواب

جل رہا چل ہجوم یاسن حرموں سے شہسیر  
 یہ بھی سوز غم سے ہے اُس شمع محفل کا جواب

صورت ابر بہاری روز و شب  
 یہ ہے اب حالت ہماری روز و شب  
 بے خود عشق آپ میں کس وقت آئیں  
 رہتی ہے چشم تصور کے حضور  
 آہ و شیون کی بھی آخر کچھ ہے حد  
 بلبلیں بھرتی ہیں آپیں دم بدم  
 دل کو بہلاتی نہ اُن کی یاد اگر  
 منتظر انکی سواری کی شہسیر  
 رہتی ہے اب اشک باری روز و شب  
 رہتے ہیں مصروف زاری روز و شب  
 جب غشی رہتی ہو طاری روز و شب  
 کوئی صورت پیاری پیاری روز و شب  
 تاکجا فریاد وزاری روز و شب  
 چلتی ہے باد بہاری روز و شب  
 کون کرتا غم گساری روز و شب  
 رہتی ہے باد بہاری روز و شب

## روایت پ

جنوری ۱۹۱۶ء

دن کو بھی میرے سہ خانہ میں کب تپ رہو؟  
 نالہ ہائے گرم سے آتشکد ہے گھر مرا  
 گرچی بس جوانی سے بڑھے کیونکر نہ روپ  
 دیتی ہے صحرے بے سایہ میں ان بھر میرا ساتھ  
 بیٹھنے دیتی تھیں اُس سایہ دیوار میں  
 اوس کھا کھارات بھر ٹھنڈا ہو جاتا ہوں میں  
 دابنے بائیں سے کتر اگر کل جاتی ہے تھوڑے  
 بہہ درو دیوار پر چڑھتی ہے جلاتی ہے تھوڑے  
 دوپہر کے وقت بیشک تیر ہو جاتی ہے تھوڑے  
 شام کو سورج جہاں ڈوبا چلی جاتی ہے تھوڑے  
 میں جہاں پہنچا کھ فوراً ہی اُتر آتی ہے تھوڑے  
 دن کو صحرے جنوں میں خوب گزرتی ہے تھوڑے

کیف بادہ سے نہیں اس رخ کی بڑھتی ہے ضیا  
 اے شہسیر آئینہ کو جھڑپ چمکاتی ہے تھوڑے

## روایت ت

دسمبر ۱۹۱۶ء

میرے پہلو میں ہے وہ رشک قمر آج کی رات  
 جاکے غیروں میں سے در دگر آج کی رات  
 نیند کا وصل میں ہوگا نہ گزر آج کی رات  
 رت جگا آکے کیگی مرے گھر آج کی رات

کس کے گھر جایگا وہ رات سحر آج کی رات  
 چاند بجیگا خدا جانے کہ سحر آج کی رات  
 یہ شب وصل شب ہجر سے یارب ڈھکائے  
 روزِ فردا کی کبھی ہو نہ سحر آج کی رات  
 زلف کی آڑ میں دل سے آڑی شوخی نگاہ  
 پاگئی رڈھونڈی تنہی جسکو نظر آج کی رات



کتنے والی نظر آتی نہیں یہ ہجر کی شب  
 ہو نہیں سکتی کسی طرح سحر آج کی رات  
 نہ کسی سمت سے آواز اداں آتی ہے  
 بولتا ہے نہ کہیں مرغ سحر آج کی رات  
 رخصت لے زینت کہ شام شب غم آتی ہے  
 اپنا اس دار فنا سے ہے سفر آج کی رات  
 زندگانی کا نتیجہ ہے یہی مدت وصل  
 حاصل عمر میں یہ چار پہر آج کی رات

کیا شب وصل بھلا دخل حیا کا ہے شہر  
 کدو جابیٹھے پس پردہ در آج کی رات

جنوری ۱۹۱۶ء

تیرے لئے غیرت یوسف ہیں خریدار بہت  
 اندنوں بڑھ گئی ہے گرمی بازار بہت  
 اک دل نار مرا اور دل آزار بہت  
 ہائے تنہا یہ ستم کش ہے ستمگار بہت  
 دل ہو تو دل دہی کرنے کو ہیں دلدار بہت  
 مال اچھا ہو تو لینے کو خریدار بہت  
 خانہ بر بادوں کو ایوان و مکاں سے کیا کام  
 بے گھر دلوں کو ہے ترا سایہ دیوار بہت  
 بر سے تو کچھ نہیں سودے محبت میں کمی  
 دل سلامت ہے تو مل جائیگے دلدار بہت  
 اٹھو کمرے میں چلیں لطف سے آرام کریں  
 منہ برستا ہے یہاں آتی ہے بوجھار بہت

طے کر دنگ میں رہا عشق کو پاموشی سے  
 دشت بیکسار پہلوں پر باد سی نہ لہا بہر  
 آپ کی باتوں میں دلدل مزہ آتا ہے  
 بنگلوں کو بے شہر ہے شیریں گفتار بہر  
 ارد گرد آپ کے گھر کے ہے ہجوم عشاق  
 بیش دروازہ بہت ہیں پس لیا رہت  
 جو شہیران کی ادا ہے وہ کسی کی بھی نہیں  
 یوں تو ہونے کو ہیں دنیا میں ضرور بہت

## روایت ط

خوبصورت ہے جیسا تیرا پیٹ  
 ایسا دیکھا نہیں کسی کا پیٹ  
 دیکھ کر بھوک پیاس مرنے ہے  
 روح پرور ہے پھر بھی ان کا پیٹ  
 نعمت فقر و فاقہ مستی سے  
 سیر ہوں میں بھرا ہے میرا پیٹ  
 روز بیتی ہے خون ان کی تیغ  
 پھر بھی بھرتا نہیں ہے اس کا پیٹ  
 مست ہیں انکی چشم مست سے ہم  
 بے پے بھر گیا ہے اپنا پیٹ  
 پنی کے رندوں میں شور و غل اٹھا  
 کیوں نہ چمکیں بھرا ہے انکا پیٹ  
 لے شہیر اک غم معیشت سے  
 کتنا بدنام ہے بچارا پیٹ

## زورِ عیث

فروری سنہ

لے دل امید وصل کی رکھتا ہے تو عیث ممکن نہیں محال کی ہے آرزو عیث  
 حرمان نصیبوں کو ہے تنہا کی خو عیث حسرت عیث امید عیث آرزو عیث  
 دل پاک ہو تو تن کی نہیں شست و شو عیث نیت نمازی ہو تو کیوں ہو و شو عیث  
 بے یار سیرِ باغ و گل و رنگ و بو عیث ساتی نہیں تو شیشہ و جام و بو عیث  
 تدبیر اندمال جرات فضول ہے کرسے ہیں میرے چاک چکر کو، نو عیث  
 میں ماتی ہوں حسرتِ مردہ کا آپ ہی مجھ کو ستانہ لے دل پر آرزو عیث  
 گردن کی لگے بھی وہ زیادہ قریب تھے ناسحق پھر سے ہم اُن کے لئے کو، بو عیث  
 مرقد میں منہ مرا سوئے میخانہ پھر گیا لوگوں نے لاش و فن ہی کی قبلہ و عیث  
 تم منہ لگو نہ واعظ و ناصح کے لئے شہیر  
 یہ یادہ گو ہیں ان کی ہے سب گفتگو عیث

ماہِ سنہ

چڑھی لہتی ہے تیوری غصہ میں لے یا کیا با عیث کھنچی بی ہتی ہے ہر دم تری تلوار کیا با عیث  
 تڑپ رہتے ہیں کلمہ کا فرو دیندار کیا با عیث نہیں ہے اب نزاعِ سجدہ و زنا کیا با عیث

تو یہ دم میان سے باہر رہا کرتی تھی چار انگ  
کوہ سے اب نہیں کھینچتی وہی تار کیا پائش  
پڑا پھر پڑ پالا بھی بتوں کی سرسری سے  
ہوئی ٹھنڈی نہ لیکن آواز کٹا کر کیا پائش

شہیرا سطح میں گونائیوں کی کچھ نہیں تھی  
رولیت اکثر لگے ہو جاتی ہے بیکہ کیا پائش

## رولیت ج

۷ اراکت ۱۹۷۷ء

میر دریا میں اُنھیں سرگرم جب پاتی ہے موج  
پیسے پیسے بھرے کے کوسوں چلی جاتی ہے موج  
دیکھ کر ان کو کنار آب لہراتی ہے موج  
جب چلے جاتے ہیں سرساحل سے لگاتی ہے موج  
گاہ دامن چشم تر پر رکتے ہیں گاہ آتشیں  
جوش پہ بے بھر گریہ موج پر آتی ہے موج  
آہ و گریہ سے خس طوفانی دریا ہوں میں  
رخ ہوا کا جسطرف پاتی ہے لی جاتی ہے موج  
ایک قطرہ بھی نہیں میخانہ بھر میں چھوٹتے  
جبکہ دریا نوشوں کہینے کی آجاتی ہے موج  
پاؤں مھوئے بیٹھے ہیں جب کنار آب وہ  
شوق پابوسی میں تاساحل چلی آتی ہے موج

دیدہ پر آب سے اُٹھتا ہے جب طوفان اشک

آسمانوں سے شہیرا دو پر گز جاتی ہے موج

۲ دسمبر ۱۹۷۷ء

سوطح کے وہم مجھ بیکار کو ہوتے ہیں آج  
دیکھنے والے مری صورت کے کیوں ہوتے ہیں آج

چونکتے تھک بھی نہیں گو شہر ماتم ہے بے سند  
اب قیامت تک ہم چھوڑینگے واسن آپ کا  
میں نے کل تک جانفشانی بخشی سر سبز ہی میں کی  
ہائے اٹھا ہے جنازہ کس جو نام مرگ کا  
کل شب فرقت اٹھائے تھے دوسرے پر آسمان  
چٹکیاں لیتا ہے یہ چٹکی بجا کر پوچھتا  
نہ انوسے غم سے نہ ہم نے سراٹھایا کوئی دم  
شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب  
مشر میں دیتے ہیں میرا ساتھ یا اس شوخ کا  
لے اجل تو نے ملایا خاک میں کس کا شباب

کل وہاں راجہ راجہ پائینگے حاصل شہیر  
ہم یہاں س مزرعہ دنیا میں جھٹکتے ہیں آج

## رولیت ج

۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

شہ نہ دیتے جو مری شامت تقدیر کے پیچ  
سلسلہ قطع مری باتوں کر دیتے ہیں  
پھانستے دل کو نہ اُس زلف گرہ گیر کے پیچ  
کاٹ دیتے ہیں وہ سب دشتہ تقریر کے پیچ

آج مکاریوں کا شیش کے سر پہ سہرا  
 صاف کیڑا ہو رہا گنتی جوازل سے ہو پڑی  
 رنگ خوشاب جگر دست خانی نے لیا  
 بہو کے صدف چاک بھی دل شانہ کیسو نہ بنا  
 پہ پہ مطلب نگہ شوق نظر بست رہا  
 موٹگانی تو مصور نے بہت کی لیکن  
 زلف کے بل تو مرسہ دو دو جگر سے نکلے  
 بارے قاتل تو ہوئے آہ کی تاثیر کے پتہ

خط طفری میں رقم نامہ جاناں پہ شہیر  
 ابھی میں تارہ نظر سے مری تحریر کے پتہ

## روایت

۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء

یاد ساتی میں بھر آیا دل جو مینا کی طرح  
 ضبط گریہ میں بھرا یاد دل جو مینا کی طرح  
 میری ہستی بھی ہے احم بے سما کی طرح  
 پڑے اُس کو چہ میں صرف پائالی ہو گیا  
 چھلکے آنسو آنکھوں کے سانس سے صبا کی طرح  
 پی گیا میں آنسو کو اپنے صبا کی طرح  
 بس بولے نام ہوں ہونے کو غفا کی طرح  
 تھتے تھتے مٹ گیا نقش کف پا کی طرح  
 آنکھیں کھل جاتی ہیں آغوش تنہا کی طرح  
 دامن ناکامی کب آتے بھی ہیں خواب میں



تڑکے پار سے دو روزہ زندگی پر کیا کریں  
 ہلکے کچھ جیتا تمہیں ختم و مستی کی طرح  
 بے حرارت سے رگ برف تکی بیری نبض  
 دست عیسیٰ ہو نہ جائے دست ہوسا کی طرح  
 ہر جگہ ہر گھر میں جلوہ ہے تھوڑے سن کا  
 عام فیض اس کا ہے ہر عالم آرا کی طرح  
 شہزاد ہند میں یہ غیر ممکن ہے شہسیر  
 سر بر آوردہ ہو کوئی میر و سودا کی طرح

۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

دیکھنے میں ہے انگور پانی کی طرح  
 بے وفا ہے زندگانی بھی جوانی کی طرح  
 نبض چلتے چلتے سانس لے آتے رک گئیں  
 کون اس عالم میں مجھ سا زند عالم سوز ہے  
 موت کی طغی بھی ہے لے عشق جھکونو شگوار  
 جھوٹا قصہ جانتے ہیں سرگزشت عشق کو  
 ساتھ دیتی ہے ہمیشہ تا دم آخر ہی  
 پیر میکش کی کراست آتش سیال ہے  
 ایک خاموشی میں ہیں سو معنی حسن بیاں  
 اب زبانی مری ہے بے زبانی کی طرح

کاٹ لینے رخ کے دن ہم خوشی سے لے شہسیر  
 راہ دل میں غم کو دینگے شادمانی کی طرح

۱۷۱۔ رکتور سلسلہ

بارافت کہ اٹھنا ہوا بھاری اصلاح ہو گئی تیرہ خزانے سے چاروں پہلوں  
دلوں مشق سخن میں ہی جاری اصلاح اسے شہر اس سے ہوئی اور تیار ہوئے  
اب راکین کی نہ شوخی ہے نہ البیلارین ہو گئی حسن جوانی سے بھاری اصلاح  
بن گئے اک نظر طفت سے سب کام مرے ہو گئی چشم زدن میں گری ساری اصلاح  
محنت سعی سے بگڑی ہوئی قیمت نہ بنی بڑی کوشش و تدبیر میں باری اصلاح  
ہوتی میں خور و پوری کی نورستی جمال تجھے لیتے نہ اگر نوری و ناری اصلاح

میر حسن کلام اور بھی بڑھتا تھا شہیر  
دیتے تھے حضرت استاد وہ بیابانی اصلاح

## رویت خ

ہوں کبھی تنابہ دل سے بھی دست یار سرخ کیا ضرورت ہے کہ مندی جی ہوں ہر بار سرخ  
ہے شہیدانِ وفا کے خون کا فیضان رنگ رہتی ہے قاتل کی ہر معیت جو ہر وارہ سرخ  
غیر کے ساتھ آپ کیوں کے عیادت کے لئے ہو گیا غیرت سے رنگ چہرہ بیمار سرخ  
دخت رز نے جامہ تقویٰ گلانی کر دیا زیب سر ہے حضرت زاہد کے لب ستار سرخ  
وہ عیادت کے لئے آئے بحالی آگئی زرد تھا یا اب ہے رنگ چہرہ بیمار سرخ  
آستین دینچہ دامانِ قاتل اور تو ایک میرے خون سے چاروں پہلوں توار سرخ

کیا ہو گا ایک بھی قطرہ نہیں ملے گا میں شہر  
بچہ یہ کہیں نکلا نہیں ہو کر بے سوزا سرخ

## دلیف د

کچھ جتنی خوف سے قاتل کے ہے تھر تھر فریاد  
غصہ بڑا کر ضبط۔ نکر اے دل مضطر فریاد  
کرتے ہیں آٹھ پہر عاشق مضطر فریاد  
آؤ مظلوم کی پرواز ہے تاعرش بریں  
بس یہی تجھ سے ہے لے داؤد محشر فریاد  
ہوش صیاد اڑا دیتے ہیں مرغان قفس  
آئینہ چوٹ حسینوں کی نظر کی کھا کر  
منہ سے بھی ہائے تھکتی ہے تو ڈر ڈر فریاد  
کہیں نیچیں نہوں وہ تری سنکر فریاد  
رات بھر نالہ و شیون ہے تو دن بھر فریاد  
کون کتاب ہے کہ ہے طائر بے پر فریاد  
بس یہی تجھ سے ہے لے داؤد محشر فریاد  
جب کہ کیا بارگی سب کرتے ہیں ملکر فریاد  
کیا عجب جا کے کوئے پیش سکندر فریاد

جوش گریہ یہ دم نالہ و شیون ہے شہیر  
چشم پڑ آب کو کر دیگی سمندر فریاد

## دلیف د

حسن و جمال پر ہے عبرت اس قدر گھمنڈ  
بے جا ہے ایک رات کے مہمان پر گھمنڈ  
دو دن کی چاندنی ہے یہ اسپر نگر گھمنڈ  
کیوں آمد شباب سے ہے اس قدر گھمنڈ

وہ بے وفا تجل گیا سینہ کو توڑ کر  
جس تیرناز پر تھا تجھے اسے جگر گھمنڈ  
پتے زار بندں کو زہد کا اپنے اگر غرور  
ہم مندوں کو بھی ہے رحمت غفار پر گھمنڈ  
پہرل عزیز عشوہ و انداز و ناز ہیں  
ہر بات دل پسند ہے تیری مگر گھمنڈ  
دعوائے بے مثالی و کیتانی مٹ گیا  
جاتا رہا سب آئینہ کو دیکھ کر گھمنڈ  
زیبا نہیں ہے چاہنے والوں سے غرور  
جو تجھ کو پیار کرتے ہیں سب مگر گھمنڈ  
دیکھی نہیں تجلی داغ دل شہر میر  
تجھ کو بھی ہے لے بت رشک تم گھمنڈ

## دولیت د

کھوئے کیا درد و ادا و تعوید  
نہ پیمبر نہ ہے خدا تعوید  
پڑھ کے وہ میری قبر کا تعوید  
بوئے اب نفع دے گا کیا تعوید  
جھاڑ پھونک اور ایسی بیماری  
درد دل اور یہ دعا تعوید  
ہے جنوں اک پڑھا کھا جن آپ  
اثر اُس پر کرے گا کیا تعوید  
مرضِ عشق کا علاج نہیں  
بے اثر ہے۔ دوا۔ دعا تعوید  
مہنے والے کے نام کا خط تھا  
اُس کے بازو سے جب کھلا تعوید

جو بندھا تھا شیش بازو پر  
لاغری سے وہ گر گیا تعوید

## ادب و لطافت

اب اس میں خوشی بھی نہیں دیرانہ سمجھ کر  
 ہنسنے دیتا ہوں میں شوخی طفلانہ سمجھ کر  
 رکھ اس میں قدم نہ دل دیوانہ سمجھ کر  
 وہ سننے کو سنتے رہے افسانہ سمجھ کر  
 بھر آیا دل الٹا ہوا بیاناں سمجھ کر  
 پہلے کی طرح ہم اُسے بت خانہ سمجھ کر  
 ہوتی بھی ہے تو لغزش مستانہ سمجھ کر  
 رکھ پاؤں زرا لے دل دیوانہ سمجھ کر  
 ہم دوڑ پڑے جلوہ جاناں سمجھ کر

دل کس لئے اُس دشمن ایکاں سے لگایا

کرتا تھا شیر آپ کو یا رانہ سمجھ کر

صدائے طوطی ٹنکر تنکن منقار کے اندر  
 ہزاروں طرح کے آہنگ ہیں صورت غلامیں  
 بنادیتی ہے شیریں ہر سخن منقار کے اندر  
 ہزاروں رکھتے ہیں گویا دہن منقار کے اندر  
 اگر بس ہو تو رکھ لے یہ چین منقار کے اندر  
 گئے وہ دن کہ انکا تھا وطن منقار کے اندر

اسیران قفس کے نئے ہیں خانہ بدوش نہیں

رہی بزرگ لکڑی تیرے ہر دم کے کام آئے جیسے کھتی تھی وہ ہر گھنٹہ اپنے اٹھ  
 بھرا کرتی ہے بیل دم جو تان گشتار کا جیسے رہتی ہے یہ انجمن منہاں کے اندر  
 ہمارا آئی ہے ہر گل نغمہ بیل سے کتا ہے نواسے سارا عشرت آج بن منتہار کے اندر

شہیر اس طرح میں بکھڑتا مشکل میں تھک  
 نہیں قاصر مرئی مشق سخن منتہار کے اندر

بن باس ہوئے جوگ لبیا یار کی خاطر دکھ سینے کو سکھ چین تجا یار کی خاطر  
 ستا ہوں سبھی جو رجھایا یار کی خاطر ہر طرح ہوں راضی برضا یار کی خاطر  
 دل ویدیا میں نے اگر انکو تو عجب کیا کرتے ہیں سبھی شاہ و گدایار کی خاطر  
 وہ منزل دشوار ہو یا وادی پُر خار طے کرتا ہوں میں آبلہ پایار کی خاطر  
 فرماتے ہیں وہ ٹسک وہ بیداد و جفا پر کرتے ہیں سبھی اہل وفا یار کی خاطر  
 ہر ایک سے دنیا میں کیا ترک تعلق اپنوں سے بھی بیگانہ ہوا یار کی خاطر  
 مرنے بھی پئے دوست حیات ابدی ہے ہر زہر فنا آب بقا یار کی خاطر

جینا پڑا مر کے محبت میں شہیر آہ  
 جو کچھ نہ ہوا تھا وہ ہوا یار کی خاطر

۹ ستمبر ۱۹۷۷ء

نہ پڑے مبر دل عاشق گریاں کیونکر منہ نہ کالا ہو ترالے شب ہجراں کیونکر  
 جوش و خشت میں چھپاؤں تن عریاں کیونکر بھاڑ دوں جسم سے میں گرد و بیاں کیونکر

ہائے حاصل جو رضا مستحق بناناں کیونکر  
دین و دنیا میں اسی کا تو سہارا ہے سینے  
کتنے ہیں قصہ بلقیس و سنبھال سن کر  
سخت جاتی ہے اوجہ اور نزاکت ہے اوجہ  
کس طرح منہ نہ ترالے بت کافر چوموں  
داغ بن بن کے ابھرنے لگے جو جگر

بھٹی اظہار ہو انکھار نہیں ہاں کیونکر  
چھوڑ دوں آنہ کی ناک کی نشہ واماں کیونکر  
بس میں آجاتی ہیں انسان کے پرانی کیونکر  
خلق پر میرے چلے خنجر وراں کیوں کر  
ہوں مسلمان نہ لوں بوسہ قرآن کیونکر  
دل میں ناموس محبت رسچہ نہاں کیونکر

ان توانی میں ہوں میں خوگر ترکیب شہسیر  
ترک ہو عادت تقلید فعیحاں کیوں کر

۱۶- فروری ۱۹۷۷ء

رہا عشق آپ کا پیدا و پنہاں با اثر ہو کر  
دم نزع اکھونیں سن ازل ہے جلوہ گر ہو کر  
عبث فکر آشیائے کی۔ ہوں پرواز کی بے جا  
جھلکتا ہے سیکاری میں رنگ آمرزگاری کا  
نہ کیوں سرکشگی میں کیف دور جا حاصل ہو  
اثر آزار الفت کا چھپاے چھپ نہیں سکتا  
کروں فریاد کس سے داو یا رب کون تیا ہے  
چلیں گے حشر میں تیرا مات جب گناہوں سے

نایاں دلغ دل ہو کر نہاں درد و جگر ہو کر  
نگاہ واپس پڑتی ہے پھر پہلی نظر ہو کر  
قفس ہی میں ہیں رہنا ہے جب بے بال پر ہو کر  
بنا ہے ابر رحمت میرا دامن سے تر ہو کر  
کف بادہ بھرا ہے میرے سر میں مغز سر ہو کر  
کہ رنگ چہرہ اڑ جاتا ہے پھلے ہی خبر ہو کر  
دعائیں بھی تورہ جاتی ہیں آہ بے اثر ہو کر  
تری رمت بچائے گی مجھے سینہ سپر ہو کر

مرا جسم میں نہیں آسمان کی آواز ہے ہوا کی جھانک ہے  
 ملا خوش قسمت لڑکھنؤ مجھ کو منہ سے نہیں  
 شہزادہ تیرے ہاتھوں سے نکالے جاوے گی  
 شبیر نام کا ہے مر مر گرائش سے نہ فتن ہے

چراغ مغل عشرت تھا جودل نوجوانی میں  
 شہسوار اب مجھ گیا پیری میں وہ شمع سحر ہو کر

## رولیت

صورت کا ہے بناؤ تری زلف کا بگاڑ  
 کیوں ہونہ خوش اداؤں میں بگڑی ادا کی قدر  
 تقدیر میری آگئی ہے تیرے ہاتھ میں  
 کب تک بھیگی اُس متلون مزاج سے  
 دل میں کہاں سے آگیا خانہ ترابا شق  
 ہر روز کی لڑائی سے تول گئی نجات  
 کوچہ میں تیرے میں ہوں پڑا مثل نقش پا  
 آنکھوں سے آنکھیں دگنیں وصلع ہو گئی  
 تم نے بگاڑی اپنی بنی بات آپ ہی

کیوں ہوں نظر فریب نہ یہ خوش نما بگاڑ  
 اُن کا نہ سو بناؤ نہ اک آپ کا بگاڑ  
 جس طرح جی میں آئے ترے تو بنا بگاڑ  
 کے روز بننے دیگا یہ ہر روز کا بگاڑ  
 کس نے کہا تھا اس سے کہ آگھر مرا بگاڑ  
 اُس جنگجو کے میل سے اچھا رہا بگاڑ  
 ہے تجھ کو اختیار بنا مجھ کو یا بگاڑ  
 پھر اُن سے میل ہو گیا جاتا رہا بگاڑ  
 بے فائدہ شہسوار کیوں کر لیا بگاڑ



# رشتہ

۱۲ جولائی سنہ ۱۳۰۶ء

راش ہو جائیگا نہ غم فاش سے سب ل کارا  
 حل میں اُن کا چھپ کے رہنا ہو گیا ہے نکل کارا  
 ہٹا گ اوجہ وہ نزدیک سے کی تھی تلاش  
 قید پستی سے رہا ہو کر دے مرقد میں بند  
 مر گیا لیکن اُن سے کر سکا اظہار شوق  
 گوشہ ہائے برباد پر توں میں فیکے لختِ دل  
 سوزِ داغِ عشق میں ہے روشنیِ بزمِ حسن  
 تر و تابِ شیشہ سے میرے آگے تختِ  
 دہنتے ہیں سب گریارے گویا بی نہیں  
 تیرے میدانِ محشر کا ہے طولانی سفر

غیر ممکن ہے چمپا ناخنِ قاتل کا را  
 یسی محل نشیں ہے آپ ہی محلِ کارا  
 کھل گیا پائے طلب پر دوری منزلِ کارا  
 یہ ہے اے خوابِ اجل نہ دانِ آبِ گلِ کارا  
 رگیا افسوس میرے دل میں سیرِ دلِ کارا  
 خود لبِ ساحل سے ظاہر ہو گیا ساحلِ کارا  
 شمعِ محفل میں چمپا ہے گرمیِ محفلِ کارا  
 جانتا ہے سنگِ دل و جینکستلِ کارا  
 ہو گیا ہے خوابِ گونگے کا بتِ غافلِ کارا  
 پہلی منزل میں کھلا یہ دوسری منزلِ کارا

بے کھلی سوکھی کلی دیکھی ہے جس نے شہسیر  
 جانتا ہے وہ مری افسردگیِ دلِ کارا



# رویت

۱۲- جولائی ۲۱ء

کوئی نہیں ہے کشتہ بے دل کے آس پاس  
 رہتی تھیں پہلے حسرتیں جو دل کے آس پاس  
 یہی کو کچھ پیام سنا ہے قیس کا  
 ہے حکم یاں شادی اسید کے لئے  
 پھندے لگاتے پھرتے ہیں صیاد باغ میں  
 ارمانوں کا ہے وصل میں تاننا بندھا ہوا  
 عشاق قتل ہو گئے سب قتل گاہ میں  
 کیا بے حجاب قیس سے یہی ہونجد میں  
 ہے یاد چشم یار میں مڑگاں کی بھی خلش  
 پھرتی ہے بیکسی ترے سہل کے آس پاس  
 دم توڑتی ہیں اب وہی سہل کے آس پاس  
 باد صبا ہے پردہ محل کے آس پاس  
 ہرگز پھٹکنے پائے نہ یہ دل کے آس پاس  
 شانخون پر آشیان عنادل کے آس پاس  
 کچھ دور دور ہیں ابھی کچھ دل کے آس پاس  
 باقی نہیں رہا کوئی قاتل کے آس پاس  
 پرے پڑے ہیں شرم کے محل کے آس پاس  
 کچھ خار بھی ہیں آبلہ دل کے آس پاس

یہیں میرے گرد کوہکن و قیس ہیں شہسیر

جیسے مرید۔ مرشد کامل کے آس پاس

# رویت

رہتی ہے روز بانی بے داد کی تلاش  
 ہر دن ہے اک نئے تم ایجاد کی تلاش

اس خارزار و ہر میں پھنتے نہ لکے ہم  
 لے طائران باغ خبردار۔ ہوشیار  
 پرے سے جا کے ڈھونڈ نکالا حضور کو  
 سو نقش خود جو ایک تھوڑی کھینچ لے  
 لے باغبان شوق اسیری ہے اس قدر  
 خود بیلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش  
 ہوتی اگر نہ گلشن ایجا د کی تلاش  
 گلچین و باغبان کو ہے صیاد کی تلاش  
 دیکھی نہ آپ نے مری فریاد کی تلاش  
 پھر اُس کو کیوں ہوائی و ہزار کی تلاش  
 خود بیلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

لذت رُباے جو حسناں ہیں ہم شہمیر  
 رہتی ہے روز اک تم ایجا د کی تلاش

## روایت ص

چاہے وہ بھلی ہو یا بُری حرص  
 خالی جب تک نہ خم کے خم ہوں  
 کھودیتی ہے سب دقار انسان  
 یوں بھی نہ تھی کچھ شباب میں کم  
 جامے پر پیکتی ہے رال  
 قسمت پر اپنی جو ہے قانع  
 جینے کی خاک اب ہو س ہے  
 اند پر اپنا ہے توکل  
 بیشک ہے مجھے شراب کی حرص  
 میری بھرتی نہیں کبھی حرص  
 ذلت ہے ہر آدمی حرص  
 پیری میں تو اور بڑھ گئی حرص  
 ہے شیخ کی سخت لاپچی حرص  
 اس کو ہوتی نہیں کوئی حرص  
 تاعمد شباب ہو چکی حرص  
 قانع ہوں مجھے نہیں کوئی حرص

جس سے رہے نام نیک قائم حرصوں میں نہی ہے کام کی حرص  
دنیا کی ہوس شہسیر تاجند  
کب تک یہ رہے گی آپ کی حرص

## رویت ص

الاق بوسہ میں اے جان تمھارے عارض بیار کرنے ہی کے قابل ہیں یہ پیارے عارض  
دعویٰ حسن میں زیبا ہے۔ اگر اپنے پر صدقے سوج کو کرے چاند کو وارے عارض  
آتش شوق کو بکھر کاتی ہے رخسار کی یاد گرم آہوں میں دکھاتے ہیں شرارے عارض  
شوق دیدارِ جاناں میں تھیں مبتلا نکھیں گھونگھٹ اٹھا تو نظر آگئے بارے عارض  
ہاتوں میں نے اڑائے ہیں مرنے بوسوں کے شیخیاں مجھ سے بہت اب نہ بگھارے عارض  
سر چڑھے منہ لگے اتنا جو نہ گیسو ہوتے کس طرح چومتے جھک جھک کے تمھارے عارض

جاں بلب حسرت بوسہ میں نہ ہوتا میں شہسیر  
پہنچ باسن نہ اگر داسشتہ کارے عارض

## رویت ط

نہیں اُس بانی جفا کا خط میری تقدیر کا ہے لکھا خط  
ہائے ازبس تھا یا اس افزا خط پڑھ سکا میں نہ ان کا پورا خط

جی اٹھا میں جو اُن کا آیا خط      میرے حق میں ہوا مسیحا خط  
گو پتہ میرا تھا لفافہ پر      غیر کے نام کا مگر تھا خط  
دستِ قدرت کی دیکھ لی تحریر      عارضِ یار پر جو آیا خط  
لکھتا کیا حال بقراری دل      دامنِ برق بن نہ جاتا خط  
نگہ شوق بے قرار ہے کیوں      ٹھہرے پڑھنے سے مجھ کو انکا خط

یہ بھی لکھا نصیبوں کا ہے شہیر  
کبھی آتا نہیں ہے ان کا خط

## رویت ط

آتا اگر بغل میں بوتل دبائے واعظ      مستی میں چوم لیتے ہم بڑھ کے پائے واعظ  
بندے ہیں سب اُسی کی اسیدوار رحمت      رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ  
ایا ہے پی کے شاید۔ لکنت زبان میں ہے      چلنے میں بھی نہیں ہیں قابو میں پائے واعظ  
نارِ مقررے آیا ہے رندوں کو ڈرانے      سنتا ہے کون اسکی دُورخ میں جائے واعظ  
ہم کوئے یاری میں جنت سے بڑھکے خوش ہیں      یعنی ہے مبارک جنت برائے واعظ  
اوروں ہی کو دکھائے یہ سبز باغ اپنا      سچا جو ہو تو جنت ہم کو دکھائے واعظ

پیر مغاں کی سنتے ہیں لے شہیر ہم سب  
میخانہ میں رہی ہے ناصح بجائے واعظ

## روایت غ

ظاہر ہے دو شمع سے رنگِ فغان شمع پروانوں کا بیان ہے گویا بیان شمع  
 لے اہل برہم ہے دم آخر۔ قریب صبح  
 ممکن نہیں جو میرے سیر خانہ میں جلے  
 دل میں مدام دماغِ محبت کی ہے جگہ  
 دل تفتگانِ عشق کے مرنے میں دیر کیا  
 تارِ نفس بغیر فروغِ حیات کیا  
 جس میں ہو سوزِ عشق وہ قصہ ہیں سناؤ  
 بچہ کچھ گئی ہے اُس رخِ روشن کے سامنے  
 اظہارِ سوز کے لئے تو ہے زبانِ شمع  
 جو اُن کی داستان وہی داستانِ شمع  
 کو جھلملا رہی ہے نکلتی ہے جانِ شمع  
 سو بار لاکے کر لے کوئی امتحانِ شمع  
 فانوسِ رات بھر کے لئے ہے مکلنِ شمع  
 اک جھونکے میں ہوا کے نکلتی ہے جانِ شمع  
 کیونکر جلے اگر نہ ہو رشتہ میانِ شمع  
 پروانوں کا فسانہ ہو یا داستانِ شمع  
 جب جب کیا ہے محفلوں میں امتحانِ شمع

کیوں نورِ طبع سے نہو زندہ دلی شہیر

روشن یہ ہے کہ روشنی ہوتی ہے جانِ شمع

## روایت غ

ہو گئے سب دماغِ دل کے عشقِ تیرا میں چراغ  
 کیا کر گئے بول لیکر جوشِ سودا میں چراغ  
 ہاں یہ اندھیر کعبہ کا کلیسا میں چراغ  
 جلتے ہیں دماغِ جنوں کے آپ صحرائیں چراغ

ہے سچ روشن کا جلوہ دیدہ پر آپ میں  
 بے سواد و کی نظر میں پہنچ ہے روشن سواد  
 رات کو جلوہ چو دیکھا آب آتش رنگ کا  
 داغ غمائے عشق کا ہے دل میں عالم ہی نیا  
 آئے وہ امیدیں برائیں دل پر داغ کی  
 داغ عشق لے قیس ہو صرف نیاز زندگی  
 قبرِ سر تہائے مرزہ پر پڑے ہیں سب بچے  
 نورِ ایماں کی ضیا محدود دنیا تک نہیں  
 رہنا ہو گا یہ بن کر راہِ عقبی میں چراغ

نورِ عرفاں سے منور ہے مراد لے شہیر  
 عارف حق دیکھ لیں داغِ سویدا میں چراغ

## رولیت

عین جو پہر ہے مرا ابروئے خمدار کا وصف  
 کر دیا شرم گنہ کو جو گنہ گار کا وصف  
 خوگر لذتِ آزار ہیں مداحِ ستم  
 سایہ میں لیکے دکھادیتی ہے طوبیٰ کی بہار  
 ہوں سپاہی تو نہ کیونکر تلوار کا وصف  
 بخدایہ بھی ہے اک جرئتِ غفار کا وصف  
 کوئی ہم سے سنے اُس شوخِ جفا کار کا وصف  
 ایک ادنیٰ سا ہے یہ آپ کی دیوار کا وصف  
 یہ تو کچھ بھی نہ ہوا کوچہٴ دلدار کا وصف

راہِ جاناں میں اذیت بھی بڑی راحت ہے      پاؤں کے چھالو تکو ہے نوکِ باں کا کاٹھ  
ہوں بالِ نہ دولت کی طبع ہم کو شہسیر  
پھر غرض کیا جو کریں منعم و زردار کاٹھ

## دلیفت

باقی شرف نہ کعبہ کا دولت سر لے عشق  
لے دل ہے آزمائش عشقِ ابرائے عشق  
جس پر کرم ہو اوج اُسی کا بڑھائے عشق  
قائم ہوئی ہے دلیں کچھ اسطرح جائے عشق  
دونوں میں ربط لازم ملزوم ازل سے ہے  
دنیا و دیں کسی سے علاقہ نہیں ہمیں  
گویا ہوئی تھی قطع ازل ہی میں ناپ کر  
بستر سے اٹھنے کے بھی سکتا اب نہیں رہی  
خالی رہے نہ دلِ غِ محبت سے دل کبھی  
سب باتیں یاد ہیں ہمیں عہدِ و است کی  
اتنا دے بار غم مجھے جتنا اٹھا سکوں  
سب بڑا یہ کو سنا آکا ہے لے شہسیر

قائم جو میرے دل میں نہ ہوتی تباہے عشق  
کر صبر آزمائے جو صبر آزمائے عشق  
قیس اک سڑی تھا کر دیا جسکو خدائے عشق  
دل جائے بھی تو دل ہو جائے نہ جائے عشق  
ہے عشق دل کے واسطے دل ہے برائے عشق  
کچھ ماسوا سے کام نہیں ماسوائے عشق  
ٹھیک اتری میرے جسم پر ایسی قبائے عشق  
دنیا سے کس طرح مجھے دیکھوں اٹھائے عشق  
یار ب نہ بے چراغ ہو دولت سر لے عشق  
گوش آشنا ہے روز ازل سے صیلاے عشق  
جتنا میں دے سکوں مجھے اتنا دے عشق  
یا دافع بلا اسے کر مبتلاے عشق



## رویت ک

پہونچوں لے ضعف جنوں کیا وادی کسارتک  
 بچ ہے وقت بیکسی ہر ایک کرتا ہے گریز  
 دو نوں عالم ہے مرقع ان کے حسن پاک  
 بندھ گئے ہیں پرفنس میں رہتے رہتے اسطرح  
 دھوپ کی تکلیف سے لے ضعف پا جاتے نجات  
 دیدہ پر آب سے آنسو گزر کر بہہ گئے  
 نوک کی لینے لگے ہیں آبلوں سے خارتک  
 بھاگتا ہے مجھ سے اٹکا سایہ دیوار تک  
 جلوہ اقدس سے ہیں معمور نور و نارتک  
 ہوں رہا بھی تو نہ اڑ کر جاسکوں گلزار تک  
 کاش چل سکتے کسی کے سایہ دیوار تک  
 جوش غم رٹکوں کو پہونچا آیا دریا باز تک

بخت خفتہ سو رہا ہے نیند کیا آئے شہیر  
 ہو چکا سونا ہمارا طالع بیدار تک

## رویت گ

مہندی ہزار دست حسیناں میں لائے رنگ  
 کیا رنگ آگے اس رخ روشن کھائے رنگ  
 پلوچی نہ بات چہرہ بیمار عشق نے  
 ہیں دیکھنے ہی بھر کے حسینان بیوفا  
 مشکل ہے میرے خون تمنا کا پائے رنگ  
 جس میں کہ نورِ سخن بھرا ہو بجائے رنگ  
 غیرت جو ہو تو منہ نہ کسی کو دکھائے رنگ  
 ان پھولوں میں زرا نہیں خوشبو لائے رنگ  
 کیا اُسکے آگے رنگ کچھ اپنا جمائے رنگ  
 کچھ ادب ہی ہے جلوہ بے رنگ کی بہار

کلیاں چمک رہی ہیں گل تو بہار کی سنتے ہیں طائران گلستان حملے رنگ  
 بیشک بقول حضرت استاد اے شہسیر  
 کچھ اس غزل میں جی نہ ہوا آئینے رنگ

۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء

نظر آتا نہیں کچھ صبح کے آثار کا رنگ ظلمت گور سے بدتر ہے شب تار کا رنگ  
 اُوگیا ضعف مرض سے رخ بیمار کا رنگ دید و مقوڑا سا تم اپنے گل ہزار کا رنگ  
 حشر میں رحمت داور نے جو نظر میں الیں ہو گیا سنج وہیں روئے گنہگار کا رنگ  
 فصل مے آنے دو پھر ہے یہ ہمارا دمہ ہو گلابی نہ اگر شیخ کی دستار کا رنگ  
 حلقے آنکھوں میں پڑے مردنی منہ پر چھپائے نظر آتا نہیں اچھا ترے بیمار کا رنگ  
 تم دکھا دو جو زرا عارض گلگوں کی بہار تو بدل جائے ابھی چہرہ بیمار کا رنگ  
 عرق شرم گنہ - اشک ندامت سے شہسیر  
 صاف ہو جاتا ہے سب بے سیکار کا رنگ

## رویت ل

مے کیا تجھ سے اب او ہو فادل تری بے مہریوں سے ہٹ گیا دل  
 نہیں تجھ سے عزیز اے دلربا دل ارے تو شوق سے لیجا مراد دل

نہیں ہے جب تمہارے کام ہی کا  
تری باتوں سے لے سفاک قاتل  
تھیں تو بیٹھے تھے پہلو میں میرے  
مرے سر مارا قسام ازل نے  
زرا کر یاد اے وعدہ فراموش  
تولاؤ پھیر دو مجھ کو سرا دل  
کلیجہ ہو گیا شوق پھٹ گیا دل  
تھیں نے لے لیا بیشک مرا دل  
پڑا پایا جواک ٹوٹا ہوا دل  
لیا تھا تو نے کیا کہہ کر مرا دل

قطعہ

اگر کمنا نہ مانے کون بس ہے  
محبت میں نہیں ہے کوئی تخصیص  
ربانی زلف سے ہے غیر ممکن  
کسی کا ہوا انھیں لینے سے مطلب  
جہاں دیکھا کسی کو دل گرفتہ  
خروش بلبلاں ہے جوش گل تک  
دل است این جنگ نتواں کردہ بادل  
شود باہر کہ خواہد آشنا دل  
کہاں پھر چھوٹتا ہے جب پھنسا دل  
نہیں پروا بھلا ہو یا بُرا دل  
وہاں اپنا مجھے یاد آ گیا دل  
خزاں میں پھر کہاں شور عناد دل  
نہیں دیتے نہ دیں داد و قابت  
شہیرا لے تو اپنا ہے عادل

۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء

ستنا جو ہو تو ہم سے سنو داستان دل  
جو ناشتو ہو اُس سے کریں کیا بیان دل  
افسانہ گو کر گیا بھلا کیا بیان دل  
سامع کوئی ملے تو کہیں داستان دل

جلِ عِل کے راکھ ہو نہ مگر منہ سے اُن کلمے  
 ناک اگر نکالا تو پھر زندگی نہیں  
 خلقت تھی ناتمام کہ تھا صفتِ خونِ گوشت  
 صبر و قرار و تاب و توان کا پتہ نہیں  
 اے سوزِ عشقِ پہل نہیں امتحانِ دل  
 بیگانِ تیر یا رے لٹی ہے جانِ دل  
 پیوست ہو کے تیر بنا استخوانِ دل  
 لے دردِ عشق کیا ہوئے سبستانِ دل  
 دیکھے نئی زمینِ نیا آسمانِ دل  
 شکل یہ ہے سجتے نہیں تم زبانِ دل  
 بے چارہ کس طرح تمہیں سمجائے کیا کرے

میں باخبر ہوں یا مرام اللہ اے شہسیر

کیا جانے تیسرا کوئی رازِ نہانِ دل

پامالِ عشق ہو کے ٹٹے یہ ہے شانِ دل  
 دل بے زبان ہے وہ کریگا بیان کیا  
 ہو جائے بے نشان ہی ہے نشانِ دل  
 میری زبان چاہئے بہر بیانِ دل  
 سینے کو چاک کیجئے خنجر اٹھائے  
 لینا ہی آپ کو ہے اگر امتحانِ دل  
 پردہ سے کیوں نکالتا ناموسِ عشق کو  
 کتنا کسی سے کس سے دردِ نہانِ دل  
 ہو ہو کے خون بہہ گیا اشکِ داغ کے کیسا تھ  
 اچھا ہوا کہ مٹ گیا نام و نشانِ دل  
 داغِ جگر سے ہوتی ہے ظاہرِ ہمارِ عشق  
 زردیِ رخ سے کھلتا ہے رنگِ خزانِ دل  
 واقف ہوں اس سے جو رگ گردن کے ہے قریب  
 مجھ سے چھپا نہیں ہے مکیں مکانِ دل  
 نکلا ہے نزع میں ابھی ہمراہِ روح کے  
 یارب وہ کون تھا جو چھپا تھا میانِ دل  
 اُس سے لگائے دل جو ہو تیرا عشق  
 دل دے اُسے مجھ دے جسے قدر دانِ دل

میں آپ رونے لگتا ہوں رقت کے خوش سے

پروردہ شہیر زینِ استانِ دل

پہر اک بات میں تھا حجاب اول اول	نہ یوں تم تھے حاضر جواب اول اول
وفادار اغیار کا اب لقب ہے	کبھی تھا یہ میرا خطاب اول اول
ازل ہی سے کوثر کی لہر نہیں ڈوبے	ہوئے غرق موجِ شراب اول اول
کسی شوخ کی ہائے اٹھتی جوانی	وہ اپنا بھی جوشِ شباب اول اول
خدائی میں مثل اس صنم کا نہ نکلا	جسے کر دیا انتخاب اول اول
جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ	نواب آخر عذاب اول اول
نیاز ابتدا کا تھا ناز ابتدا کا	سوال اول اول جواب اول اول

شہیر اب اسی شے کا چسکا پڑا ہے

ہیں جس سے تھا اجتناب اول اول

## رودیت م

جلد افاقہ غش سے کب پاتے ہیں ہم	بے خودی سے آپ کھو جاتے ہیں ہم
کچھ نہ پیتے ہیں نہ اب کھاتے ہیں ہم	ہجر ساقی میں مرے جاتے ہیں ہم
ہے یہی آب و غذا اب ہجر میں	خون دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہم

کتنی ہے ردِ یہ جان منتظر  
 وہ نہیں آتے تو لو جاتے ہیں ہم  
 باندھ دیتے ہیں تصور آپ کا  
 رات بھریوں دل کو ہلاتے ہیں ہم  
 ہے گلے میں جذب الفت کی کمند  
 یہ جدھر کھنچتی ہے کھینچ جاتے ہیں ہم  
 پیوج کر اعمال بد اپنے شہسیر  
 سامنے رحمت کے شر مارتے ہیں ہم

۳۰ جولائی ۱۹۷۶ء

ساتھی گزشتگاں ہیں ہم  
 مرنے والوں کے نوحہ خواں ہیں ہم  
 اشرپائے رفتگاں ہیں ہم  
 جادۂ موت پر رواں ہیں ہم  
 مثل سایہ جدا کہاں ہیں ہم  
 جس جگہ آپ ہیں وہاں ہیں ہم  
 زنگ گل ہیں اگر عیاں ہیں ہم  
 بوے گل ہیں اگر نہاں ہیں ہم  
 آپ اپنا پستہ نہیں ہم کو  
 یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم  
 اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی  
 کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم  
 دیکھ لیں دیکھ لیں ہمیں احباب  
 موت آئی تو پھر کہاں ہیں ہم  
 اے فلک ڈر ہمارے نالوں سے  
 پیسیر تو اور نوجواں ہیں ہم  
 آہ کیونکر کٹے گی ساری رات  
 شام ہی سے جو نیم جاں ہیں ہم  
 جلوۂ یار کا یہ دعوے ہے  
 از زمیں تا بہ آسماں ہیں ہم  
 مرتے مرتے بھی ہے بند نگاہ  
 عازم سیر لامکاں ہیں ہم

قید کون و مکاں سے ہیں آزاد      کچھ نہیں سہے وہاں جہاں ہیں ہم  
روز و شب کر رہے ہیں طے رہ زیت      شل عمر رواں رواں ہیں ہم

بعد از تاسخ و تنیر شہیر

یا دگار گزشتہ گناہیں ہم

۲۰ اگست

گو ہے امید وفا اُس بت خود کام سے کم      پھر بھی ہوتا ہے غلط نامہ و پیغام سے غم  
ہو س بادہ ہو کیا اس دل ناکام سے کم      جانتا ہے کہ ہے مشہور جہاں جام سے جم  
جیت ہے جام جہاں میں تو بنایا بیشک      ہوا واقف نہ مگر اپنے سر انجام سے جم  
پیشم پر آب اگر خشک ہوں تو کیا ہے غیب      سوکھ جاتے نہیں کیا گردش ایام سے کم  
پیشم پیار کے بیمار مرے جاتے ہیں      توڑتے جاتے ہیں سب تلخی بادام سے دم  
باغباں دیکھ لے افسان سے ہو انکھ اگر      حُسنِ نرگس کا ہے پیشم بت خود کام سے کم

دافع رنج ہے نام اسد اللہ شہیر

کیوں نہو جائے ہرنِ مہیتِ فرغاً سے کم

## رویت ن

اُن کی تصویر بھی کئے لگی بازاروں میں      پھوٹ پڑ جائے نہ یوسف کے خریداروں میں  
زنگ ہے بحر و غضب دونوں کا خساروں میں      کبھی پھولوں میں ہے شامل کبھی انگاروں میں

کہ روزِ اہد سے اگر رحمتِ حق کی ہے تلاش  
 عشقِ ابد میں کٹے جاتے ہیں ایامِ حیات  
 شکر ہے روگنی تقدیر ان آنکھوں کی وہاں  
 حُسنِ بچپن میں ہوا کھاتا تھا آزادی کی  
 طرز سے کہتے ہیں وہ تذکرہ یوسفِ بدر  
 ابرِ رحمت تو ہے رندوں سے سیا تر دامن  
 گھر کا گھر حیرتی حُسن ہے اے بتِ تیرا  
 اس خُش بچوت سے وہ نوں ہوئے آخر نہ تیرا  
 دھونڈت کیوں اور کہیں گئے نگاروں پر  
 عدم آباد چلے جاتے ہیں تلواروں پر  
 کہ سکندر ہے جہاں آئینہ پرواروں پر  
 اب جوانی سے ہے پر مے کے کرتاروں پر  
 ایسے ایسے تو بکا کرتے ہیں بازاروں پر  
 ہونو کالی گٹھا بھی ہے سہ کاروں پر  
 آنکھیں پھرائی ہیں انہیں نہیں دیواروں پر  
 چھائیں تلواروں میں تو نوکریں یہاں غاروں پر

کیا کہوں انہوں میں حالِ دل بیتابِ شہر

جیتی پھلی ہے دپتے ہوئے نگاروں میں

آپ دیتے ہیں نہاں اور بل جاتے ہیں  
 آج جو کہتے ہیں کل اُس سے نکل جاتے ہیں  
 ہجرِ جاتاں میں قضا لائی ہے بیخامِ مصال  
 گو مرے کام کا میرا دل ناکام نہیں  
 جگہِ دل میں ٹھہرتے نہیں وہ ناوکِ ناز  
 کیوں نہیں ہوتی دلِ سخت بتاں میں تاثیر  
 چشمِ بدورِ لڑکپن کی ابھی تک ضد ہے  
 بار کر قول بھی کیا صاف نکل جاتے ہیں  
 روز ہی ایک نئی چال وہ چل جاتے ہیں  
 وہ نہ آئے ہیں ہمراہ اجل جاتے ہیں  
 پھر بھی کام اس سے حسوں کے نکل جاتے ہیں  
 ادھر آتے ہیں ادھر صاف نکل جاتے ہیں  
 آہ سوزاں سے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں  
 دیکھ کر وہ دلِ عشاقِ نعل جاتے ہیں



شوخیوں عالم طفلی کی جوانی میں کہاں      سلطنت بدلی تو عامل بھی بدل جاتے ہیں  
 طبع موزوں مری کا ہے کوہِ سانچہ ہے شہیر  
 اس میں اشعار ہر اک رنگ کے پھل جاتے ہیں

سوے دیرا ٹھتھے ہیں شباب میں پاؤں      قطرہ زن ہیں رہ ثواب میں پاؤں  
 دیکھ کر نور نقش پا کا ترے      کعب گئے چشم آفتاب میں پاؤں  
 سہی بے جا ہے کوچہ گردی عشق      توڑوں کیوں راہِ ناصواب میں پاؤں  
 دیرو میخانہ کے سوانہ اوٹھے      اور جانب کہیں شباب میں پاؤں  
 طے ہوئی شکر منزلِ طفلی      رکھے اب جادہ شباب میں پاؤں  
 پی کے نکلا ہے میکدہ سے شیخ      پڑتے ہیں نشہ شراب میں پاؤں  
 تیری شوخی کے آگے جم نہ سکے      برق کے اوکھڑے اضطراب میں پاؤں  
 ہتھکڑی بیڑی جب سے پہنی ہے      ماتہ آفت میں ہے عذاب میں پاؤں  
 جھومتے یہ کدھر چلے اے شیخ      کیوں نہیں قابوے جناب میں پاؤں  
 مجھ کو پامال ہی بگڑ کے کرو      کام تو آئیں کچھ عتاب میں پاؤں  
 دست بوسی کا جب سوال کرو      وہ بڑھا دیتے ہیں جواب میں پاؤں  
 طے ہوئی سختیوں سے راہ فنا      ٹوٹے اس منزلِ جناب میں پاؤں

بندش پاشہیر ہے تعقید  
 کس طرح باندھوں آفتاب میں پاؤں

جانتے ہیں جیتے ہی ہم اُن کو پا سکتے نہیں  
 پیول اگر میری حد پر وہ چڑھا سکتے نہیں  
 فرطے نوشی سے ہے پاتھوں میں عیشہ اسقدر  
 نازکی وضعف سے معذور تم۔ معذور ہم  
 مال اپنا ہے مگر ان کا یہ رعب حسن ہے  
 ایسی از خود فتنی رہتی ہے ہر دم عشق میں  
 عمر بھر جن کے اٹھائے ناز میں شوق سے  
 جلوہ حسن تیاں کی ہم حقیقت کیا بتائیں

چھو بھی انکی جستجو سے پا نہ اٹھا سکتے ہیں  
 تو کوئی ٹھوکر بھی کیا آکر لگا سکتے ہیں  
 سامنے رکھی ہے بوتل اور اٹھا سکتے ہیں  
 چل کے آسکتے نہیں اور اٹھ کے جا سکتے ہیں  
 دیکھتے ہیں دل پڑا ہے اور اٹھا سکتے نہیں  
 آپ میں آنا کبھی چاہیں تو آسکتے نہیں  
 دو قدم بھی وہ مر تا بوت اٹھا سکتے نہیں  
 جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے دکھا سکتے نہیں

دیدہ باطن نے جو دیکھا ہے جلوہ شہیر  
 چشم ظاہر ہیں کو وہ صورت دکھا سکتے ہیں

پانچ سہ

مے و میناؤ ساغر ہم یا برمول لیتے ہیں  
 انھیں منظور ہے پوری طرح اب میری بربادی  
 اگر پٹ جائے تو ہم بھی یہ سودا کرنے آئے ہیں  
 دل عشاق ہیں افسردگی میں داغ کے گاہک  
 جنون عشق کا موسم ہے فصل جوش سودا ہے  
 انھیں کو چھانٹ کر رکھتے ہیں جن کی جنت ہے

جو یوں پاتے نہیں تو قرض لیکر مول لیتے ہیں  
 سناپے غیر کے ہمایہ میں گھر مول لیتے ہیں  
 سناپے آپ دل لے بندہ پرور مول لیتے ہیں  
 چراغ مردہ ہو کر ماہ انور مول لیتے ہیں  
 ہمارا آئی ہے رگ زن روز نشتر مول لیتے ہیں  
 بے تعمیر مسجد ہم جو پتھر مول لیتے ہیں

وہی اس دن کی قیمت ہے جو اس کی تمنا ہے  
 خریداری کی عادت بعد تو یہ بھی نہیں چھوڑتی  
 زمین و نشت کوئے یا رکاوٹ فرشتہ بانس ہے  
 خدا کا گھر یہ بت اللہ اکبر مولیٰ لیتے ہیں  
 خدایک شان ہے اہنام میرے دل کے گاہک ہیں  
 نوید قتل ان کے جہاں شماروں سرفروشوں کو  
 غبار کوئے جاناں کی خریداری اپنی آنکھیں ہیں  
 عروج خاکساری نشہ میں بھی زیبائے  
 ہمیشہ پیسے کو مٹی کا ساغر مولیٰ لیتے ہیں  
 شہسوار آئیں تہ ہوں پرباکر عشق خیز میں

ہم ان دو ساغروں سے حوض کوثر مولیٰ لیتے ہیں

قزار سے رہیں کیا شوخ بے حجاب کہیں  
 حفاظت آپ کریں اپنی نوجوانی کی  
 یہ کیسی بتری میخانہ میں ہے بے ساقی  
 حرام میکدے کی ہے حلال کوثر کی  
 وہ اپنے جوش جوانی میں آپ ہیں سرست  
 بس ایک ات کی مہمان نوجوانی تھی  
 ٹھہر سکا ہے کسی وقت آفتاب کہیں  
 نہ لوٹ لے کوئی یہ دولت شباب کہیں  
 سبویہ بڑے ہیں کہیں ساغر شراب کہیں  
 کہیں عذاب ہے بادہ کشی ثواب کہیں  
 شراب سے ہے سوانشہ شباب کہیں  
 کھلی جو آنکھ نہ تھا صبح کو شباب کہیں

شہسوار داد و وفا اور حسن والوں سے  
 یہ وہ سوال ہے جس کا نہی جواب

## ۱۷- جیوری سلسلہ

فراق یار میں مر مر کے صبح و شام کرتے ہیں  
 کرشمے آپ کے عاشق کشتی کا کام کرتے ہیں  
 بے حالوں بسر ہم نہ سچا ایام کرتے ہیں  
 قصا پیاری کو تو مفت میں بدنام کرتے ہیں  
 ہم اپنا کام کرتے ہیں وہ اپنا کام کرتے ہیں  
 نیاز عشق ادھر ہے اور ناز حسن اس جانب  
 غموش او بے ادب سرکار بھی آرام کرتے ہیں  
 یہ خواب ناز اکانا نہ شبگیر سے بولا  
 خبر ہوتی نہیں اے دل نہ ابھی ان کی آنکھوں کو  
 غلام اپنا بنا لیتے ہیں فیض خوشی کلاسی سے  
 زبانی خروج سے وہ بندہ بے دام کرتے ہیں

نہیں شیخ حرم سے کم وقار پیر سحرانہ  
 ادب ل سے قہمیر انکا بھی غلط و عام کرتے ہیں

## ۱۸ جولائی ۱۹۸۷ء

ادب سے ذکر میرا مجنوں و فرہاد کرتے ہیں  
 تمنا تھی کبھی یہ آ کے کہتا چویدار اُنکا  
 مری شاگردی پر لے عشق فخر استاد کرتے ہیں  
 اُنھوں جلدی چلو سرکار تم کو یاد کرتے ہیں  
 نئی دنیا یہ سب زیر زمین آباد کرتے ہیں  
 کسے وہ شاد کرتے ہیں کسے ناشاد کرتے ہیں  
 یہی تو دیکھنا ہے ان کی بزم ناز میں چل کر  
 گئے کٹوا کے وہ نالہ شوں کی جان لیتے ہیں  
 نیا شہر خموشاں اندوں آباد کرتے ہیں  
 بتوں کے ظلم پر اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں  
 مگر پاس و بکاظ خاطر صیاد کرتے ہیں  
 نہ تھا کچھ دور گلشن بھی قفس ہی کی لکھنے اڑھاتے

خیر دیتی ہیں آ کر یہ جھکوا جھکیاں میری  
فلک کے سینہ سے بھی پار ہونگے تیرے ہوس کے  
کھڑے ہیں دیسے ہم انتظار حکمِ عالی میں  
و قور غم سے بچوں کی طرح ہم رونے لگتے ہیں  
مبارک ہو تمہیں بھوے جو تھے وہ یاد کرتے ہیں  
فرشتوں سے کہو ہٹ جائیں ہم فرما کر تے ہیں  
ہمارے حق میں آخر آپ کیا ارشاد کرتے ہیں  
کبھی پیری میں جی اپنی جولانی یاد کرتے ہیں

دیکھیں میں پڑھا تھا بابِ پنجم جو گلستاں کا  
شہسوار اب آپ پیری میں سے کیوں یاد کرتے ہیں

مزه کھانے کا اٹھے بھرے اے ساتی بایے میں  
کڑک بجلی کی آسانی سے پیدا کر لی ناے میں  
مری نیت ہوئی جاتی ہے ڈالوں ڈول لکھاتی  
خیالِ نعت شب کو صبح کو ہے یادِ عارض کی  
مجھے دھوکا دیا اے شوخ کس تیری صورت نے  
جگر ہے خون۔ دل دلدادہ داغِ محبت ہے  
مزه ہے دید کا اس کی جو ہو مشوقِ نادیدہ  
غرض ہر رنگ سے ہر رنگ میں یہ حسنِ متاہ ہے  
کلیجہِ تھام کر فرماتے ہیں وہ میرے شیون پر  
ریختے ہیں میرے رات دن کیسا جیت تاریکی  
بتاؤ تو شہسوارِ خرمِ آخر یہ کیسا سو بھی  
کہ دو دو گھوٹ پیتا جاؤں میں ہر اک نوالے میں  
اگر سن لوں کہ ہے تابِ حاجت سننے والے میں  
یہ کیا شے تونے بوتل سے اونڈلی بے پیالے میں  
اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے اُجالے میں  
یہ کیا معلوم تھا سب گن بھر رہیں بھالے میں  
پڑے ہیں جان کے لالے پڑی ہے جان لائے میں  
نہیں کچھ لطفِ نظاے کالے دل دیکھ بھالے میں  
صباحِ بن کے گورے میں ملتتے بچے کالے میں  
بھر ہے اُن غصب کا درد اس ظالم کے نالے میں  
نہیں ہے بال بھر بھی فرق اندھیرے اور اُجالے میں  
توں کی بندگی دیکھی نہیں اللہ والے میں

## ۷۵۔ نو مہر

ہوا رنگ نہ پوشش سے جنوں سے و سماں میں  
 بیکے نوبت شادی صدا سے سینہ کو پی ہے  
 مرادست جنوں بھی پیر و شمشیر قاتل ہے  
 لئے بجاتے تو ہو میرے دل پرواغ کو یکن  
 وہ داغ عشق ہو یا رنگ سن اک روز ٹٹا کر  
 سر مڑ گاں یہ آ کر جم گیا ہے خون کا قطرہ  
 یہ کس دیوانے سے ملنے کو جوش بیکاری ہے  
 ہوا اب فاش دہ راز جنوں بھی مست دشت سے  
 قریب جلوہ گل کیا ہے اک ہو کا ہی ٹھوکلے  
 جی بھی تو یہ تجلی ہے جی بھی تو اتنی تابش ہے  
 کہا تک ہمت افزائی کہا تک جو صلہ کا ہی  
 نیاز شوق و شرم ناز میں فرق مراتب ہے  
 مر فیض عشق کی قسمت میں جو لکھا ہی ہونا ہے  
 قیامت کی ہے سنسانی غضب کی بے زبانی ہے  
 دبا جاتا ہوں لے قاتل جھکا جاتا ہے سر میرا  
 الکاہد آ کر لے شہیر اب فیض گریہ سے  
 صفت شعلے کی پیدا کر لے اپنے جسم تراں میں  
 برات آئی کہ نعلش آئی مری رگوں غریباں میں  
 تنگان زخم کی ترکیب ہے چاک گریباں میں  
 یہ گلدستہ نہ رکھ کر بھول جانا طاق نسیاں میں  
 یہ دودن کی بہار لالہ و گل ہے گلستاں میں  
 کہ دل چھد کر کسی کا رنگیا ہے نوک نیکال میں  
 کہ عالم موج ہے تابی کا ہے ریگ بیاباں میں  
 چھپا رکھا تھا جسکو پردہ حبیب گریباں میں  
 نہیں ہے نام کو بوسے و فاز گلستاں میں  
 چرخ طور کی تبی ہے داغ قلب سوزاں میں  
 کوئی حد بھی ہے کب تک دل ہے امید سواں میں  
 مرا سر پاؤں پر ہے اُن کا آغوش گریباں میں  
 مرے جاتے ہیں چارہ ساز ناحق فکر دراں میں  
 کسی کو تاب گویائی نہیں شہر خموشاں میں  
 گرا نباری احساں سے ادائے شکر احساں میں  
 کی کیا گوہر ترک عدا کی یاد نسیاں میں

۱۲/ دسمبر ۱۹۶۲ء

ٹوک لے جوش جنوں کیا انکی خزاں میں نہیں  
دھجیاں مست جنوں سے جیت داناں میں نہیں  
لے اجل اب رنج میرے جسم بے جان میں نہیں  
کس سے اچھے جوش و شہت میں مرادست جنوں  
نما ہے قید جنوں لے ہوشیار و ہوشیار  
پڑ گئی پھولوں پر ایسی اوس لے باد خزاں  
جس جگہ ہو حسن ہو تم میں ہو یا یوسف میں ہو  
ہو گئی ہو جو نہ انکی ٹھوکروں سے گرد و  
آپ کے منہ سے نہیں میں ہاں بھی تو نکلے کبھی  
یہ بھی کوئی بات ہے دہم جو ہے ہاں میں نہیں

جانشین حضرت فرہاد و مجنوں تھا شہتیر

بعد اس کے کوئی اب کوہ دیاں میں نہیں

ستمبر ۱۹۶۲ء

عیش و مستی کے خیالات خراب آتے ہیں  
ہو گیا غش سے افاقہ یہ خبر سنتے ہی  
پاہ دے دے دگرے دست بدست دگرے  
پہلے کچھ قدر جوانی کی نہ معلوم ہوئی  
شامت آتی ہے جب ایام شباب آتے ہیں  
ہوش میں لانے کو لیکر وہ گلاب آتے ہیں  
پی کے میخانہ سے یوں مست شرب آتے ہیں  
یاد پیری میں اب ایام شباب آتے ہیں

ناتوا توں میں حسینوں کا گزر پڑتا ہے      سب کو معلوم ہے کاٹو میں گلاب تے ہیں  
 ہوں کہیں کا توبہ اعمال پہنچتے ہیں      ہر جگہ ساتھ لئے اپنی کتاب آتے ہیں  
 ناز و انداز و اداس حسن خرام و غمرہ      بے بڑائے ہوئے ہمراہ شہادت تے ہیں

صبح پیری میں بھی ہے نیند جوانی کی شہیر  
 تجھ کو غافل نظر اتنا ہے ہی خواب آتے ہیں

۲ جون ۱۹۸۷ء

بات خاموشی میں وہ ہے جو نہیں تقریریں      لطف گو یا بی کا پہلے بہت تھی تصویریں  
 سختی قید حیلوں جھیلوں یہ ہے تقدیریں      ہے مری قسمت کا دانہ لوہے کی زنجیر میں  
 خانہ تراو کا کل پچیاں اسیر زلف میں      پروش پائی ہے ہم نے خانہ زنجیر میں  
 جم نہیں سکتا شبیہ یار میں رنگ و قاف      آہ نہیں سکتی کبھی خوشبو گل تصویر میں  
 سو رہے ہیں کشتہ بے خواب لے قاتل تے      نیند آئی ہے ہوائے دامن شمشیر میں  
 جرات عرض تمنا خوف سے ہوتی نہیں      مطلب دل ڈر سے لاسکتے نہیں تحریر میں  
 حضرت یعقوب شب کو خواب میں کئے نظر      صبح کو وہ غیرت یوسف ملا تعمیر میں

ہو گیا تیرا بل کایں نشانہ لے شہیر  
 رہ گئیں سب حسرتیں مرکز دل زنجیر میں

ولہ

رہا ہے یوں تیرو قلاب عاشق و دلگیر میں      دل میں ہے پیکان زل ہے جا پیکان تیر میں



اہل میں ہیں ایک دنوں نگ ظہر کا ہے فرق  
 ہے سر شوریدہ میں بچپن سے سودا زلف کا  
 گرمی الفت اور ہے سرد مہری اُس طرف  
 خط تو بھیجا ہے انہیں لیکن یہ ہے پور القین  
 عاشقان ابروئے جاناں عبث ہی کٹ مے  
 سیدہ گردوں سے بھی آہ رسا ہوتی ہے بار  
 خون کی سرخی سفیدی ہو گئی ہے شیریں  
 ہوش بھی میں نے سینچا لا خانہ زنجیریں  
 ہم عرب میں وہ بت بے مہر ہے کتیریں  
 پیش آگیا وہی کھدا ہے جو تقدیر میں  
 چل گئی تلوار ناحق کو چپہ شمشیر میں  
 توڑ اتنا اور یہ پلہ ہوا لی تیر میں

عشق چشم یا ز نکلا پھیر قسمت کا شہیر  
 آگئی گردش اُن آنکھوں کی تقدیر میں

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء

خلد کی نعمتوں میں لذت آزار نہیں  
 بازی عشق میں سر دینے سے انکار نہیں  
 مار ہی ڈالو جلاتا نہیں منظور اگر  
 سوکھے تنکے کی تہیں آگ میں تہی کوئی  
 ہو کے ہم مجرم الفت کسی قابل نہ ہے  
 پاؤں پھیلا کے وہ اب چپ سا گھر میں سوئیں  
 پاؤں کو توڑ کے کیوں آبلہ پا بیٹھیں  
 دیدہ دل سے تھیں دیکھتے ہیں اہل نظر  
 اتنی حواریں ہیں مگر کوئی دل آزار نہیں  
 جان پر کھیلنا جانا باز و نکو دشوار نہیں  
 وعدہ قتل تو کچھ وصل کا اقرار نہیں  
 متحمل تن فرقت کا دل زار نہیں  
 ہو گئی حد کہ سزا کے بھی سزاوار نہیں  
 مر گیا میں کوئی نالاں پس دیوار نہیں  
 کیا زمانہ میں کہیں دای پر خار نہیں  
 لاکھ پروے بھی انہیں مانع دیدار نہیں

فصل گلِ نمدِ جوانی کو گزر جانے دو      ترکِ سہ سے سچے پھر نہ ہوتا تھا کہ نہیں  
 مر گئے سب گئے واسے شبِ زشتہ کے شہیر  
 قبروں میں سو رہے تیرا لیکھ فی ہزار نہیں  
 ۱۲۱ اگست ۱۹۷۷ء

اعتبارِ عمر فانی کچھ نہیں      پھاروں کی زندگی کچھ نہیں  
 وقتِ پیری زندگی کچھ نہیں      زندگی بے جوانی کچھ نہیں  
 آنسوؤں سے کیا بچے دل کی لگی      آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں  
 سن کے وہ افسانہ الفت مرا      بولے یہ چھوٹی کمانی کچھ نہیں  
 اُس نفس میں دی جگہ صیاف نے      جس میں ہفتوں دانہ پانی کچھ نہیں  
 بے بقایے عالمِ ناپائیدار      کچھ نہیں دنیا کے فانی کچھ نہیں  
 خشک ہے بے اشک کشتِ آرزو      سوکتا ہے دھان پانی کچھ نہیں  
 جامِ نئے جینک ہے گردش میں شہیر  
 خوفِ دورِ آسمانی کچھ نہیں

دسمبر ۱۹۷۷ء

شرارے سوزِ دل کے آہیں مل کر نکلتے ہیں      بجائے اشک گرم آنکھوں سے اب نکل سکتے ہیں  
 مددِ ہوش و تابِ وقتِ دستگیری ہے      سو کر وہ حجابِ ناز سے باہر نکلتے ہیں  
 یہ شرر لگی تا عمر مجھ مایوس و محزون کو      کسی کے دل کے ارماں سے فلکِ نکھر نکلتے ہیں

نہائش کستی ہے اٹھو میا کستی ہے گھر بیٹھو  
نہیں ہے طاقت فرما دوز و راتوانی سے  
کسی کو قتل کرتے گواہیں دیکھا نہیں لیکن  
ابھی تک میرے سپہ سالار اجل سختی دوران  
پاکت کا سینہ ابوح پانا دون فطرت کا  
تہ اندر رہتے بتاتے نہ وہ بانہ کھتے ہیں  
پہ شکل مند سے نالے آہ ہو ہو کر نکلتے ہیں  
جنازے اُنکے کو چہ سے مگر اکثر نکلتے ہیں  
کہ جس جا قبر کھدنی ہے وہیں پتھر نکلتے ہیں  
تفصا چوٹی کی آتی ہے جب انکے پتھر نکلتے ہیں

شبِ عدہ شہر آتے ہیں روح تازہ جو ہر جگہ

ہم رخصت سحر کو جان وہ بن کر نکلتے ہیں

دل کی چوٹیں داغ بن جگر نمایاں ہو گئیں  
نیشِ شب کی جھٹیں خواب پریشان ہو گئیں  
عقل و دانش کی کتابیں کھن چھتا عشق میں  
شاہِ گل میں گھر کر قیدِ بلبل ہو گئی  
حلیہ جو تھیں رحمتیں حق کی پے عفو گناہ  
وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سرِ دل یاس میں  
چار بوندیں تھیں اہو کی دلِ جگر کی کائنات  
قیدِ آب و گل سے دنیا میں چھوٹے کائنات

بھوٹے وعدوں جو دل خوش کن امیدیں تھیں

وائے ناکامی کہ وہ بھی یاس و حواں ہو گئیں

سوزِ غمِ الفت کو رور و سکے بڑھائے تیریں  
ہیں ضبط کی تاکیدیں آئینِ محبت میں  
سنگ در جاناں پر حیلہ ہے حبیبِ سائی  
یوں کارکنِ فطرت کرتے ہیں چین بندی  
کچھ عیب نہیں ہوں میں جو جھک کر چھپاتے ہیں  
بے شک ہوئے پانی میں جسم اُنکے ٹکستے ہیں  
پی جاتے ہیں حبیبِ آشنا کو کچھ آستانِ  
ہستے ہوئے جاتے ہیں تے ہوئے آگے ہیں  
شدت کو رلاتے ہیں پھولوں کو ہساتے ہیں  
کچھ عیب نہیں ہوں میں جو جھک کر چھپاتے ہیں

کیوں آپ شہسیر اُنکو کر لیتے نہیں اضی  
منت سے خوشامد سے لڑھکے کو مارتے ہیں

صورت وحدت آنکار ویدہ ابتیا ز میں  
نغمہ سازِ سوزِ غم - نالہ دلنواز میں  
پیشہ حقیقت آشنا - آئینہ مجاز میں  
حالِ مریض ہجر کا - کیا ہے شبِ دراز میں  
نقٹے تو پڑکے سورہے پہلوئے خوابِ ناز میں  
لے دل درو آشنا اس سے جفا کا کیا گلہ  
پاؤں نکالتے ہمیں وہ تو حرمِ ناز سے  
انکے لبِ زبان میں گو جو ہر راستی نہو  
تاہوں کی گرم جوشیاں - آہوں کی سرد مہیاں  
جو ہر فرد روتا آئینہ مجاز میں  
گرمی شوقِ پردہ آہِ جگر گداز میں  
دیکھ رہی ہے اسکا عکس ہے حجابِ ناز میں  
جلنے وہ کیا جو سورہے جا کے حریمِ ناز میں  
سحر کو راہ مل گئی ویدہ نیم باز میں  
ذوقِ ستم بھی ہو ملاجکی ادائے ناز میں  
سجدے یہاں ہیں بقدرِ انصافیہ نیاز میں  
جھوٹی تسلیاں تو ہیں وعدہ حیلہ ساز میں  
کرتی ہیں کارسازیاں عشق کے سوز و ماز میں

آپ کا دل تو پھر پل رنگ بھی تو موم ہو  
 راہ تلاش یاریں تپتے ہیں رہا ہے خاک  
 لہزہ بیاہ پھر کا ہو گیا سایہ بھی شریک  
 برق خیال طور سوزہ نور جمال و لغز و  
 ارشاد شکستہ کہ ساتھ آہوئی کلیاں بھی ہیں  
 گرد پیر نہایت لاکھوں پتنگے جل مے  
 شمع بھی سحر ہوئی۔ اوٹھ گئے اہل نرم بھی  
 حد سے بڑھتے تب قدم گر گئے آپ نہ کہ بل

حسن نظارہ سوز پر تاب نظر کسے شہیر

مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ نازیں



## رولیت و

نبی سا جو معشوق عاشق منا ہو  
 علی سا وہی جس کا مشکل کشا ہو  
 وہ محبوب حق کیوں نہ صل علی ہو  
 وہ کونین کا کیوں نہ حاجت روا ہو  
 تو شان احد صاف جلوہ نما ہو  
 اگر پیر کا سیم احمد اٹھا ہو

جو عشقِ نبی میں شہید و شہداء ہو تو مرنے میں جیتنے کا حاصل مزا ہو  
 رہوں محوِ نظار و روئے احمد مری چشمِ حق ہیں میں نورِ خدا ہو  
 غرض یہ ہے اسے شافعِ روزِ محشر مرا کالم اور نام آپ کا ہو  
 شہیر اس کی امت کو کیا خوفِ محشر

جو محبوبِ حق ہو شفیعِ الورا ہو

لے ساتھ اپنے ہم رکھتی ہے گرم عنایاں مجھ کو ٹھہرنے ہی نہیں دیتی کہیں عمر و ایں مجھ کو  
 گھٹی جاتی ہے قوت دیتے جاتے ہیں اعضا چلا جاتا ہے چھوڑے راستہ میں کار و ایں مجھ کو  
 سفر کا خاتمہ ہے منزلِ پیری پر آپہنچے یہاں سے اب کہاں لیا جائیگی عمر و ایں مجھ کو  
 مثلِ مشہور ہے یہ سب اپنی جانِ پیاری ہے تو پھر کس طرح تم پیارے ہو اے جانِ جاں مجھ کو  
 میں راضی تھا خوشی سے اپنی قسمت بدل دیتا اگر اے دوستو ملتا نصیب دشمنانِ مجھ کو  
 قفس میں اپنی بے بالِ پری پر پر میں دوتا ہوں جب اے صیاد آجاتی ہے یادِ اشیاء مجھ کو  
 ہوا خواہ چمن ہوں تم سے پھولوں کا بھرتا ہوں مخالف جانتا ہے کس لئے اے باتیاں مجھ کو  
 نہ رونے پر ہنسوتا زہرِ گرفتار مصیبت ہوں ابھی اچھی طرح آتی نہیں آہ و فغاں مجھ کو

میں ننگِ دو دماں ہوں جانتا ہوں شہیر کو

غلط ہے لوگ کہتے ہیں جو فخرِ خاندانِ مجھ کو

۵۔ نومبر ۱۹۷۷ء

رنگِ نیاز و شکر ملا ہے ہمار کو دیکھو جھکا گلوں سے سرِ شاخسار کو

ہو دیکھنا اگر ستم روزگار کو      دیکھتوں میں جھک چمن میں بہار کو  
 بیاہ دیکھا کے شوخی برق جمال کا      تڑپا رہے ہیں اور دل بیتار کو  
 گویا ہے ایک قطرہ شبنم بوک خار      یوں ہے ثبات ہستی ناپا مدار کو  
 رکت نہیں کسی سے مگر ہم اپنا دل      آئینہ میں جگہ نہیں دیتے غبار کو  
 پھولوں کو دیکے اپنے پر زکی ہوا طیوہ      بھڑکا رہے ہیں آتش رنگ بہار کو  
 غربت کی شام صبح وطن دونوں دیکھ کر      سمجھ میں راز گردش لیل و نہار کو

پیری میں بھی شہیر شگفتہ ہو دل اگر  
 میں موسم خزاں میں دکھا دوں بہار کو

اشکوں سے سوز الفت میں کس طرح کمی ہو      وہ آگ یہ نہیں ہے پانی ہے جو بجھی ہو  
 خود توبہ گرد اس پر کیوں مرگ بے کسی ہو      پر سان لے غریب جس کا کہیں کوئی ہو  
 ہو رشک حور کوئی یا غیرت پری ہو      حیوان سے ہے بدتر جب تک نہ آدمی ہو  
 جیلو سے جیسے آنکھیں روشن ہوئیں انل میں      پہچانتا ہوں صاحب میں خوب تم وہی ہو  
 وقفہ چھلکنے میں کیا لبریز ساغروں کے      کیا ڈیڈ بانی آنکھوں میں اشکوں کی کمی ہو  
 یہ ٹیک ہے انوکھی یہ صد بھی ہے نرالی      جو میں کہوں نہ وہ ہو جو تم کو وہی ہو  
 آواز بن ترانی گوش آشنا ہے میری      مشتاق میں ہوں جس کا تم ہو نہ وہی ہو

تھا لطف شعر خوانی تا عالم جوانی  
 پیری میں لے شہیر اب کیا خاک شاعری ہو

نالہ دل ہے بے اثر سخت جگر اگر نہ ہو  
نور جمال پاک اگر آنکھوں میں جلوہ گر نہ ہو  
گرمی حسنِ یار کا جلوہ ہر ایک شے میں ہے  
پرسشِ حالِ دل کا ہائے کیا میں انھیں بول  
گردشِ چشم میں ہے کیفِ ساغرے کے دور کا  
پاسِ لبِ ہزارے مجھ کو صلائے دربارش  
بیر نشانہ کیا اڑے کچھ بھی جہِ نور پر نہ ہو  
روشنی بھر کبھی شمعِ شہِ سحر نہ ہو  
نار میں کیوں نہ نور ہو سنگین کیوں سر نہ ہو  
اسکو کسی کی کیا تیر اپنی جیسے خبر نہ ہو  
ساتی بزم بے خودی آپ ہی کی نظر نہ ہو  
چہرہ یار سے حیا میری مگر نظر نہ ہو

روزِ فراق وہ طویل جس کی نہ شام ہو شہیر

ہجر کی رات وہ دراز جس کی کبھی سحر نہ ہو

کچھ ہو عیاں نہ لیکن سوزِ غم نہاں ہو  
ہونے کو یوں تو ہر جا ہر وقت ہر زبان ہو  
گردن کی رگت بھی ہونزدیک تر جو ہر دم  
پے جب بہار رنگِ لہجے چمنِ دو روزہ  
مارو جلاؤ ایذا آزار دو کہ جی لو  
بیچار غم کی صحت ہے منحصر اسی پر  
ہو جاؤں راکھ جگر بھر بھی نہ کچھ سواں ہو  
لیکن چپے ہو ایسا کھلتا نہیں کہاں ہو  
پے طرف تر تماشا آنکھوں سے وہ نہاں ہو  
گلشن میں شاخِ گل پر کیا فکر آشیان ہو  
مالک ہو روحِ و تن کے محتاجِ بیمِ جاں ہو  
یعنی جو چارہ گر ہو وہ کچھ مزاجِ داں ہو

گزری شبِ جوانی ہے وقتِ صبحِ پیری

دیکھیں شہیرِ بزم کو شامِ آج کی کہاں ہو



## ردیف ہ

اے شبنم آنکھ اگر ہے تو روئے نگار دیکھ  
 ہاں اک نرا ادھر بھی تو لے چشم یار دیکھ  
 لے کان جزو اے طرب اور کچھ نہ سن  
 ہے رنگ انقلاب سفید و سیاہ زہر  
 بجل کو دیکھنا ہو جو لے شوخ برقی و ش  
 لے جوش غم نہ قطع ہو رونے کا سلسلہ  
 چل بنگدے میں قدرت پروردگار دیکھ  
 آتا ہوا قرار دل بے قرار دیکھ  
 لے آنکھ صرف صورت زیبائے یار دیکھ  
 لے غافل آنکھ کھول کے یل و تھار دیکھ  
 بیتابیوں میں میرا دل بیقرار دیکھ  
 انشکوں کا میرے ٹوٹنے پائے نہ تار دیکھ

دولہا بنے ہوئے ہیں جوانان بوستاں

چل لے شہیر حسن عروس بہار دیکھ

## ردیف ی

نہ ہو جس دل میں تم وہ دل نہیں ہے  
 مراد ثمن ہے میرا دل نہیں ہے  
 جو داغ عشق کے قابل نہیں ہے  
 کہ بے محل نشیں محفل نہیں ہے  
 کوئی اس کے سوا قاتل نہیں ہے  
 وہ اک بیکار شے ہے دل نہیں ہے

جو ہم چاہا ہو تو کچھ مشکل نہیں ہے  
مرے قابو میں میرا دل نہیں ہے  
ہزاروں کوس تک ساحل نہیں ہے  
خدا کا بھی وہ بت قابل نہیں ہے  
خدا کا گھر ہے میرا دل نہیں ہے

جو ہم چاہیں ہمیں دشوار ہے وصل  
تمہارے ہاتھ میں اوروں کے دل ہیں  
محیطِ عشق ہے وہ بحرِ ذخار  
خود ہی ایسی سمائی ہے کہ توبہ  
نہ توڑے خانہ بر انداز کا فر

بتوں کی یاد میں بھی ذکرِ حق ہے

شہسوارِ اللہ سے غافل نہیں ہے

اچھا چراغ پایا ہے خلوت کے واسطے  
صورتِ تری ہے عشق و محبت کے واسطے  
دو دو چراغ تھے شبِ فراق کے واسطے  
دشمن بنے ہر اک سے محبت کے واسطے  
ہانگیں دعائیں صبحِ قیامت کے واسطے  
کیوں کوئی کئے میری عیادت کے واسطے  
آنکھیں ترستی ہیں تری صورت کے واسطے  
دو گز زمین چاہئے تربت کے واسطے  
یہ آئینہ ہے یا ر کی صورت کے واسطے  
وہ نزع میں نہ آئیں عیادت کے واسطے

دلِ غم سے گوشہٴ عزالت کے واسطے  
حسن و جمال ہے تری صورت کے واسطے  
کام آئے خوب ہجر میں دلِ غم و جگر  
لے عشقِ تیری وجہ سے سب سے بڑے ہوئے  
طولِ شبِ فراق سے گھبرا گیا یہ جی  
سچ ہے مریضِ ہجر و محبت کی جان کیا  
کب تک رہیں گی پرے میں یہ لہرِ انیاں  
کوچہ میں ان کے ہے یہ صدا مجھ فقیر کی  
حسن و جمالِ دوست کا دلِ جلوہ گاہ ہے  
گھبرانہ جائیں دیکھ کے دم توڑتا ہوا

یہ جتنے فتنے اُٹھتے ہیں روزِ اُکی چال سے سب جمع ہو رہے ہیں قیامت کے واسطے  
 فرماتے ہیں وہ سُن کے تخلصِ شہسیر کا  
 رکھا ہے خوب نام یہ شہرت کے واسطے

۴۔ اگست ۱۹۲۳ء

چلے تھے گھر سے کعبہ کو سوئے دیر تیاں آئے ارادہ تھا کہاں کچھول کر رستہ کہاں آئے  
 شب وعدہ وہاں کا سیکو وہ آرام جاں آئے جہاں مرغِ سحر بولے جہاں شہرِ اڈاں آئے  
 ترادر چھوڑ کر لے بت جو مجھ سا پائمنگستہ؟ کہاں اٹھے کہاں بیٹھے کہاں آئے  
 نفس میں صورتِ ابرہاری جسکو رونا ہو اُسے کیا مہم گل جائے یا فصلِ خزاں آئے  
 ڈراتی ہے درازی شبِ غم کو کسِ فرقت میں نہیں ڈرتا بلائے موت سے کسے ہاں آئے  
 زباں اپنی تنہو نا کام طرزِ عرضِ مطلب میں بلا سے کچھ نہ آئے لیکن اندازِ بیاں آئے  
 سلامت ہی سرِ شوریہ تو اقتاد کا غم کیا جہاں تک آنے والی ہو بلکے آسمان آئے  
 مے نالے شبِ غم یہ منادی کرتے پھرتے ہیں جسے ہو جانِ پیاری وہ نہ زیرِ آسمان آئے  
 سنو تم گوشِ دل سے تو سناؤ اپنا افسانہ مرا بھی جی لگے ملو بھی لطفِ آستان آئے

تعارف لے شہسیر اضلادی ہوتا ہے انشیا کا  
 خیالِ دشمنان میں کیوں یاد دہشتاں آئے

۲۴۔ ستمبر ۱۹۲۳ء

شب بلا کیا خبر کسی کو کہ غم سے حالت ہے کیا کسی کی

غدا ب میں کون بتلا ہے کسی سے پوچھے بلا کسی کی  
 قبول ہوتی نہیں بتوں میں کبھی کوئی التجا کسی کی  
 زرا بھی ڈرتے نہیں یہ ظالم کہیں نہ سن لے خدا کسی کی  
 خبر نہ ہو جب تو خاک سمجھیں ہم ابتدا انتہا کسی کی  
 کہاں سے آغا نہ ہے وفا کا کہاں سے حد جفا کسی کی  
 کریں گے برباد آ کے جھوٹے رہیگا قائم نہ کوئی ذرہ  
 تھامے کوچہ میں پہنے دیگی نہ خاک تک بھی ہوا کسی کی  
 زبان نا آشنائے شکوہ ہے لب کلمہ سے نہیں ہیں واقف  
 یہ غیر ممکن ہے میں شکایت کبھی کروں انکی یا کسی کی  
 ادا کیا جس لب و زباں سے ہمیشہ شکرو سپاس قاتل  
 اسی سے پیش خدا شکایت کروں میں محشر میں کیا کسی کی  
 کہیں ہے عقد گہرے بہتر شہیر تقید اس غزل میں  
 کرے کوئی اعتراض وارد مجال یہ کیا بھلا کسی کی  
 ۲۷ ستمبر ۱۳۷۶ء

غلغلہ بہار باغ رشک نولے سا نہ ہے      رنگ شگفتگی گل پردہ کشائے راز ہے  
 عشق کے ساتھ حسن کا ساز عجیب راز ہے      یعنی دیا ہے جس نے درو آپ چاہو سا نہ ہے  
 دست ہوس میں لے اجل امن حرص و آرز ہے      طول امل کا سلسلہ عمر سے بھی دراز ہے

بے فراق جاگلس۔ شادی مصل دل گزار  
 صوم و صلوٰۃ کچھ نہیں۔ نور نقیب اگر تیں  
 تیج بکف ہیں وہ اُدھر میں ہوں جھکائے رادھر  
 ڈرتے ہیں برو کو سب کہتے ہیں کن منہ لگے  
 کیف مے شباب سے ہوشربا ہیں جام چشم  
 نیت ترک کر کے ضرور لیکن ابھی بہت ہے وقت  
 گو کہ خدا سے سوال پھر بھی ہے سختی افعال  
 غم نہیں کا رستہ کا صاف ہے یہ کھلا کھلا  
 کر دیا ناز آفریں ہر بہت خوش حال کو

یہ بھی شہسیر قدرت خالق بے نیاز ہے

بندے تھکے کافر و دیندار ہو گئے  
 اعضائے جسم شیب میں بیکار ہو گئے  
 ممنون منت بن مریم نہیں ہوئے  
 ساری یہ عشق و سن کی ہیں کارسازیاں  
 آنکھوں سے جو ٹپک نہ سکے قطرہ ہاتھوں  
 اُن کی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی  
 کوچہ میں اُن کے نقش قدم بن کے پڑ رہے  
 آزاد اسیرِ سحر و زنا رہ گئے  
 گرتے ہوئے مکان کی دیوار ہو گئے  
 اچھے رہے جو عشق کے بیمار ہو گئے  
 ہم دل نگار آپ دل آزار ہو گئے  
 وہ دل غبن کے دل پہ نمودار ہو گئے  
 وہ کھینچتے کھینچتے آپ ہی تنوار ہو گئے  
 جس وقت اٹھ کھڑے ہوئے دیوار ہو گئے

یہ سچی پائے باد یہ پیٹا ہے لے جنوں  
موتے دم آئی ساقی بزمِ ازل کی یاد  
آباد میکدے ہوئے فصل بہار میں  
سب مٹ گئیں شکایتیں سوزِ فراق کی  
رستے جو کوہِ دوشنبہ کے ہموار ہو گئے  
مستِ استمناع میں ہشیار ہو گئے  
پہرست ٹوٹی تو یہ کے انبار ہو گئے  
ٹھنڈے دم سحر ترے بھار ہو گئے

دامِ فریبِ مستی ناپائیدار میں  
ناحقِ شہمیر آ کے گرفتار ہو گئے

زاہد و جانتے ہوشیوں میں کیا ہوتا ہے  
بحلوہ آرائی صورت ہے طلسمِ حیرت  
ہو کے عالم میں گزرتے دیوانوں کا  
دل شکن باتیں وہ لکھتے ہیں جواب خط میں  
پار سائی کا ہوسب میں بکھرا ہوتا ہے  
حسن، آئینہ، تصویر نما ہوتا ہے  
یہ وہاں رہتے ہیں جس جا کہ خدا ہوتا ہے  
پیش آتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے  
مجھ سے سایہ بھی سرِ شام جدا ہوتا ہے  
شہد ملتا ہے مگر زہر ملا ہوتا ہے  
طاہر جہاں نفس تن سے رہا ہوتا ہے  
صدقہ سب جلنتے ہیں ردِ بلا ہوتا ہے

غازہ روئے تم ہوئی ہے وہ خاکِ شہمیر

جس پر اس شوخ کا نقشِ کف پایا ہوتا ہے

دلِ عشاق عناصر سے جدا ہوتا ہے  
یہ تو کچھ اور ہی چیزوں سے بنا ہوتا ہے

پار کر دیتا ہے بڑا وہی مابوسوں کا  
 نہیں رہتی کسی بیدار کو بھی تاب نظر  
 لے غلک لاگ لگانا نہیں ہم سے اچھا  
 پیرسش حالت دل ہوتی ہے نشتر بہ جگر  
 رہتے ہیں زندہ جاوید شہیدان وفا  
 سیر ہوتا ہی نہیں لذت آزار سے دل  
 عین دانائی ہے مجنونِ محبت بننا  
 ہائے پرساں نہیں بجایہ محبت کا کوئی

اپنے اللہ سے کہدیتا ہوں سب دل کی شہیر

سننے والا مری باتوں کا خدا ہوتا ہے

مسی سلطنت

ہے دیاں جاں شبِ غم یہ گراں جانی مری  
 شکوہ وعدہ خلائی کر کے خودِ محبوب ہوں  
 درپے حسنِ قناعت ہے زلیخائے ہوس  
 دونوں میں غماز گو یا رازِ حسنِ عشق کے  
 سجدے کو ملتا نہ سنگِ آستانِ یار اگر  
 ہے نمودِ سیمیا ئی یا طلسماتِ حباب  
 کھوئے اک لے اجل تکلیفِ وحانی مری  
 بڑھ گئی اُن کی ندامت سے پشیمانی مری  
 کم نہ ہو یوسف سے یارب پاکدانی مری  
 آپ کی جمعیتِ خاطر پریشانی مری  
 ناک گھستی کس کے در پر جا کے بیشانی مری  
 نقشِ بر آب لے اجل ہے ہستی فانی مری

لےج رکھ لی آبرو و شرم گنتے نہ حشر میں اس پریشانی میں کام آئی پریشانی مری  
 تھی کتنا رنجیستی میں پرورش پائی ہوئی بے بقا کیونکر نہ ہوتی تہستی قاتی مری  
 پاک ہے تعقیر سے ہر شرم کی کسی رونیت  
 لے شہیر نکستہ رس و بھی ستمدانی مری

۱۹- دسمبر ۱۹۷۷ء

بھنیں قیام آگ میں میں جسم انسانی  
 مری صورت پرستی معنی حسن عقیدت ہے  
 پلاو دیتے ہیں پانی پاؤں کے چھارے تر کھا کر  
 غنیمت و حشر جامہ مری کو کیوں نہ پہنچوں  
 کمان کی ٹکنائے دل میں بارب اتنی وسعت ہے  
 اثر پہرے ہی سے ظاہر ہے رنگ نامرادی کا  
 نظر آئے تاشا پیلوں میں عکس قاتل کا  
 تو محمد جذب الفت سے ہوا تو دشمنیہ کیسا  
 کیا ہے عشق نے مجھ کو ہوش و حواس ابتر  
 زرا بھی جب کو فرصت ہو نہ اپنی گنگھی چوٹی سے  
 اوچھلنا سینہ میں رہ دل بیتاب و مضطر کا  
 شہیر اس عاشق کا کام کو ہر کام مشکل ہے  
 عناصر کی حدیں سمیٹ دیواریں ہیں نہ انکی  
 تجلی ہے جمال شاہد پیدا میں پنہاں کی  
 زبانیں دیکھ کر سو کھی ہوئی خار بیابانی  
 یہی ہے یادگار اک صحبت ست و گریباں کی  
 کہ گنجائش نکلتی آتی ہے غمہائے دوراں کی  
 مری صورت ہی آئینہ ہے شکل بایں حرمان کی  
 اگر کھینچے کوئی تصویر میری چشم حیراں کی  
 محبت میں نہیں تفریق کوئی جان جاناں کی  
 کرے شیرازہ بندی کو ان اجڑے پریشانی کی  
 بھلا وہ کیا خبر لیگا مرے حال پریشانی کی  
 قفس میں بہت پرواز ہے مرغ پر افشاں کی  
 جے آسانیاں شواہیاں ہیں کاراں کی



پہلے تو گھبراتی تھی قالب میں روح آتے ہوئے  
 تھی نگاہ اول الفت نگاہ واپس  
 کوچہ قافل میں میری قبر کا ہے یہ پتہ  
 داور محشر نے دیدی میری منہ مانگی مراد  
 قد آدم اور بھی شور قیامت بڑھ گیا  
 جب سے سوئے مقبروں میں آکے پھر کوٹ نہلی  
 گور سے بھی بڑھ کے موم خور تو یہ فکر ہے  
 صبح رخصت ہے ابھی تا شام جینا ہو چکا  
 جان بکلی جاتی ہے اب جسم سے جاتے ہوئے  
 دیر کیا تھی دل کو آتے جان کو جاتے ہوئے  
 واپس پڑتی ہے جلتے بائیں کو آتے ہوئے  
 کیوں ہوس حور و نکلی میں کرتا تھیں ہاتھ ہوئے  
 عرصہ محشر میں وہ آئے ہوا اٹھلاتے ہوئے  
 مست خواب مرگ ایسے فیض کے ٹاتے ہوئے  
 دیر ہی لگتی نہیں انسان کو کھاتے ہوئے  
 اک نظر پھر دیکھ لے اے جان جا جاتے ہوئے

یاد ہیں دن بھاری نوجوانی کے شہیر  
 پھرتے تھے راتوں کو جب گلیوں میں تم گاتے ہوئے

۲۱۔ دسمبر ۱۹۷۷ء

صحبت تری عام ہو گئی ہے اس سے بدنام ہو گئی ہے  
 کہنے لگے ہیں جو صبح سے حال اکثر ہمیں شام ہو گئی ہے  
 ہر گھر میں تری تجلی حسن زیب درو بام ہو گئی ہے  
 قاضی کو حلال مفت کی ہے دامن کی حرام ہو گئی ہے  
 شبے وہیں پڑ رہے ہیں تھک کر جس جا ہمیں شام ہو گئی ہے  
 سے نوشوں کی سرنوشت لے شیخ خط لب جام ہو گئی ہے

دنیا کو طلاق دو جو اٹو بوڑھی بے کام ہو گئی ہے  
 پیری میں شب شباب کی بات یاد ایام ہو گئی ہے  
 دنیا کے سخن میں لے شہیرا ب  
 شہرت مرا نام ہو گئی ہے

ہماری لاش میں دن کو چہ قاتل سے نیکی  
 کسی دن تو ہمارے دل کی حسرتوں سے نیکی  
 تنہا دل ناشاد اسی دن دل سے نیکی  
 کبھی تو یہی محل نشیں محل سے نیکی  
 اگر ہے عشق صادق تو اثر بھی آہ میں ہوگا  
 مجھے پڑھ پڑھ کے وہ کو سینے میں اُنکو عادیو گا  
 وہ اُن کے دل سے نیکی یہ سیر دل سے نیکی  
 نگاہِ آخری جو دیدہ بس سے نیکی  
 وہی رُہو ایگی آنسو ہمو کے چشم قاتل سے  
 زمانہ بھر کی بربادی کا گھر ہو گا دل ویراں  
 خرابی ساری دنیا کی اسی منزل سے نیکی

شہیرا ب عالم پیری ہے کچھ تو فکرِ عقی کر  
 ہوس دنیا کی اے غافل نہ کبتک دل سے نیکی

۲۰۔ اپریل ۱۳۷۷ء

تہاڑے گی مجمعِ محشر میں سبھی سے  
 ناراض نہ ہو۔ تھامرا انکار ہنسی سے  
 لاکھوں میں بھی وہ آنکھ نہ جھپکے گی کسی سے  
 لوشوق سے۔ میں دل تمہیں دیتا ہوں خوشی سے  
 کلہ شیخ کو دیکھا تھا کہ ساتی کی لگی سے  
 خاموشی شرمِ آپ کی ہے غنچہ لبی سے  
 داماں حیا کی ہے بہار ایک کلی سے

تہائی میں پائیں جو ہوا کرتی ہیں جی سے  
 افسوس اُسے کہ نہیں سکتا میں کسی سے  
 ہیں مست شہیر کج سنے حب علی سے  
 کلمہ حشر میں کوثر کی اڑائی گئے خوشی سے  
 انسان نے وہ بار غم عشق اٹھایا  
 جو جن و ملاک میں نہ اٹھا تھا کسی سے  
 اغیار بھی تو مدعی عشق ہیں آخر  
 نفرت تھیں ان سے بھی ہے یا فخر بھی سے  
 کچھ درد محبت کا مرنہ کہہ نہیں سکتا  
 اس لذت آزار کو پوچھو مرے جی سے

کیا غم بھی غموری ہے شہیر اپنی خوشی میں  
 دیکھا ہے کہ آنسو نکل آتے ہیں خوشی سے

۲۹۔ شہیرؔ

یکہ دلی کا لفظ محفل عشق کامل میں ہے  
 جو ہمارے دل میں ہو وہ آپ کے دل میں ہے  
 وسعت کوئین جس کے واسطے کافی نہ ہو  
 قدرت حق ہے۔ سمٹ کر وہ مرے دل میں ہے  
 ہو گیا جس جاگز۔ اُس جا گھر اپنا کر لیا  
 ہو گئے اُس دل کے مالک چسپں دل میں ہے  
 ہم تو از خود رنگی سے اپنے آپ میں نہ تھے  
 کیا بتائیں کس طرح اس بت کی محفل میں ہے  
 ہم کو اس شہر خموشاں اٹھالے شور حشر  
 کون منہ باندھے ہوئے گونگو کی محفل میں ہے  
 سوز غم فراغ جگر کے ساتھ اک یہ بھی ہے  
 درد الفت کیوں کہیں جائے مرے دل میں ہے

خافقہ سے بزم زنداں میں اب آئے ہیں شہیر  
 پہلے تو اند والوں ہی کی محفل میں ہے



### ۱۱۔ آتشِ عشق

وہ نالہ ہوں کہ باعثِ آوار سانس ہے  
 اس بے پروی پر آہ اسیرِ نفس بھی ہوں  
 بے کس مریضِ ہجر کا پر ساں نہیں کوئی  
 نیز نگِ عشقی یہ ہے کہ افسردہ جمع ہیں  
 حالتِ بے یقین ہجر کی اب پوچھتے ہو کیا  
 دنیا ستائے فلسفہٴ زندگی حشر  
 مگر نفسِ مریزِ رگِ گریز ان پر بھانسنے ہے  
 صبر و سنگدل کی یہ سب کھانسنے ہے  
 بس آگے جانے والی اگر ہے تو سانس بے  
 کیا نالہ پائے گرم ہیں کیا ٹھنڈی سانس ہے  
 ساقط ہے نفسِ جسم ہے سزا کا سانس ہے  
 ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے سانس ہے

عشقِ مریزہ کی دل سے غلش جا چکی تھیں  
 نکلے وہ کس طرح جو کھینچے کی پھانسنے ہے

### ۱۲۔ نومبر ۱۹۷۷ء

لبِ سو فار جو سرگوشیاں کرتا ہے قاتل سے  
 نہ نکلا کام کوئی مرتے دم بھی نالہ دل سے  
 اگر چہ کام لیتا قیاس اپنے جذبہٴ دل سے  
 سحر سے عرصہٴ محنت کو طے کرنا قیامت ہے  
 نہیں آسان اے دل صاف ہونا تجھ سے نفوں کا  
 اگر کوئی تمنا بھی برآئی اے فلک تو کیا  
 غم و اندوہ و درد و داغ و یاس و حسرت و حراں  
 وہ کہد تیا ہے سب پیکان تیرا گزرنے سے  
 سو میں ڈوبی ہاں اک لہ نکلے وہ بھی شمس سے  
 نکل آتی تڑپ کر آپ لیلیٰ اپنی محل سے  
 کہیں یہ دوسری منزل کو نہ پہنچا پہلی منزل سے  
 جو گتھی بڑھ گئی ہے وہ ذرا سلجھیں گی نکل سے  
 ہزاروں حسرتیں ایسی ہیں جو کبھی نیند سے  
 یہ اتنے بیکسوں کی پرورش ہے کہ لے لے لے

بتا اے بید مجنوں کیا ہوا سایہ نشیں تیرا بہت روتی ہے سر کر کے لیلیٰ جو بے محل سے  
 دوئی کا اٹھ گیا پردہ تو پھر جلوہ ہو وحدت کا تقرب ہو گیا حاصل جہاں نہ مل گیا دل سے  
 تلاش یار میں پروا نہیں طولِ مسافت کی مرے پاسے طلب تھیکے نہیں دُری منزل سے  
 سوا اللہ کے کوئی سمجھتا ہے نہ سنتا ہے زبان بے زبانی میں جو باتیں تھی دل سے

طبیعت میل ہی کھاتی نہیں ظاہر پستوں میں  
 شہیر سے میں ملنا چاہتا ہوں جی طے دل سے

۱۔ اپریل ۱۹۸۶ء

اقرار وصل کر کے وہ انکار کر گئے دیکر زبان - قول بدل کر مکر گئے  
 اب تک پھر نہ کوئی - کئی نامہ بر گئے کم بخت سب کے سب وہاں بجا جا کر گئے  
 وہ میرے گھر سے وقت طلوع سحر گئے تڑکا ہوا جو نور کا اندھیر کر گئے  
 بے سود زندگی ہے جوانی نہ جب ہی جو حاصل حیات تھے وہ دن گذر گئے  
 آتے ہی جلدی پڑتی ہے جانے کی بجائیں حالت یہ ہوتی ہے ادھر آئے ادھر گئے  
 غم اپنے قتل کا نہیں اس کا خیال ہے ناعق ہمارے خون میں تھ لکے بھر گئے

پوچھی جوان سے خیریت حضرت شہیر  
 فرمایا ہنس کے - سنتے ہیں بیچارے مر گئے

آغوش شوق میں جو دبایا مزار نے لطف وصال یار دکھایا فشار نے  
 کہا ضبط آہ و اشک کیا خاکسار نے روک لپے آندھی پانی کوشت غبار نے

پانی سے اور آتش کی تیز ہو گئی  
 بھڑکائی آگ آتش ابھر رہا رہے  
 نکل پڑا ہونے پائیں سیہ کاریاں مری  
 کہیں خوب پردہ پوشیاں شہائے دار نے  
 سجدہ قبول کے جبین نیسا کا  
 کیا سر بلند مجھ کو کیا پائے یا رہے  
 دکھ درد میں تیں ہے کسی کا کوئی شریک  
 چھوڑا ہے دل کا ساتھ شکیب قرار نے  
 اندھیر کر رہے ہیں شب وصل آپ بھی  
 بیٹھے ہیں آدھی رات کو زلفیں سنوارنے

دیتے ہی دل بتا نہ کوئی بس چلا شہر  
 بے اختیار کرویا۔ باختیار نے

۳۰۔ اگست ۱۹۷۷ء

فلک نے رنگدہار میں فنا کر کے  
 مٹایا خاک نشینوں کو نقش پا کر کے  
 وہ کام۔ قیس مرا جس کی ابتدا کر کے  
 اب اُس کو میں نے دکھایا ہے انتہا کر کے  
 مریں گے ہم دل و جاں آپ پر فدا کر کے  
 قضا کریں گے محبت کا فرض ادا کر کے  
 کمی وفا میں نہ کی وعدہ وفا کر کے  
 دکھا دیا عملاً منہ سے جو کہا کر کے  
 پہنچتی ہے گلِ عارض کی دو ترکے شبو  
 وہ بیٹھے ہیں جو رخ جانب ہوا کر کے  
 ہم اخیر ضعیفی میں آئی یا خدا  
 نماز صبح پڑھی تو مگر قضا کر کے  
 بتوں سے ہو گئے بے آس آسرا کر کے  
 توں نے کر دیا بے آس آسرا کر کے  
 خود پائی تھی دم بھر کی وہ بھی نقش بکاب  
 حباب ٹوٹے ہوا خواہی ہوا کر کے  
 نہ شمع و رحمت کے ٹوٹے محشر میں  
 گناہگار ہی اچھے رہے خطا کر کے

نکال دل سے نہ پیمان تیرا و بیداد ستانہ گوشت سے ناخن کو یوں جدا کر کے  
 نتیجہ کیا ہے پرستاری تباہ کا شہیر  
 بہشت و عور نہ لوطاعت خدا کر کے

جس میں ہے لطف نیست نہ اپنی کمات ہے  
 دنیا میں کس کو قید فنا سے نجات ہے  
 دکھلا رہا ہے جلوہ ابرو وہ ماہ عید  
 ظاہر پیا میر پر اُسے کس طرح کروں  
 جاہل کو قدر کیا ہو فرغ کلام کی  
 دیتے نہیں اجازت اظہار حال وہ  
 گریاں ہیں ساتھ ساتھ جنانے کے اقربا  
 اک بوریا نے فقر ہے دو گز زمین پر  
 یہ کیسا ہے کون وہ ایسا ہے خوش نصیب  
 زاہد کے اتقار و عبادت میں ہے ریا  
 موعے سفید پر ہی سیہ کاریاں وہی  
 گنہگار میں نیستی کے ہے ہستی بے بقا  
 مسرور وصل کوئی۔ کوئی غم نصیب ہجر  
 دنیا نے شاعری میں ہا شہرت شہیر کی

خوننا بہ جگر مجھے آب حیات ہے  
 دام بلائے مرگ میں مرغ حیات ہے  
 اہل نجوم جانتے ہیں چاند رات ہے  
 جو خاص اُنکے کان میں کہنے کی بات ہے  
 اندھے کے آگے دن بھی اگر ہو تورات ہے  
 سنتے نہیں سمجھتے ہیں مطلب کی بات ہے  
 دوٹھا ہے خواب مرگ میں روتی برات ہے  
 میری یہی بساط یہی کائنات ہے  
 جس پر حضور کی نظر التفات ہے  
 والد سب ناشی سوم و صلاوہ ہے  
 پیری کی صبح محکو جوانی کی رات ہے  
 دور فنا میں دائرہ کائنات ہے  
 کیفیتیں تو دو ہیں۔ مگر ایک رات ہے  
 ہاں اُنکی عمر بھر کی یہی کائنات ہے

حشر میں بھی کیسی مجھ پر رہی چھائی ہوئی      ویراس مجمع میں بھی مجھ سے شہنائی ہوئی  
 تنہی نگاہ شوق پہلے ہی سے لچائی ہوئی      باعث تھرکاک اور اس بت کی انگڑائی ہوئی  
 عمر سب اپنی جو صرف بادہ پیمانی ہوئی      مر کے تربت سبزہ مرقد سے مینائی ہوئی  
 یہ لگاؤ کی ادائیں کوئی اب سیکھ جائے      شوخ چتون اور اُس پر آنکھ شرنائی ہوئی  
 جان کی سہر کی خدا کی دین کی تران کی      جھوٹی جھوٹی سی تیشیں اکی پہ کھنائی ہوئی  
 ترک یاروے جوانی میں بہت دشوار ہے      رک نہیں سکتی طبیعت جوش پر زنی ہوئی

گلشن عالم میں بس افسردہ دل میں شہر  
 باغ بھر میں اک کلی ہے صرف مرجھائی ہوئی

۱۳۔ اپریل ۱۹۷۶ء

شہید یاز کا دم تیغ ہی کیا صرف بھرتی ہے      شہادت جان جیتی ہے عروس گزرتی ہے  
 نگاہ ناز قاتل - اپنا پورا وار کرتی ہے      وہ کیا جاتے اسے دل پر کسی کے کیا گزرتی ہے  
 مسیح و خضر کے جینے پر آتا ہے عجب مجھ کو      کہ انکی بے سئے و معشوق کے کیونکر گزرتی ہے  
 خموشی بھی تری تصویر کی لے بت ہے گویائی      زبان بے زبانی میں سب باتیں کرتی ہے  
 محبت و دنوازل دل ہے دل لداؤ الفت      یہ اُسکو پیار کرتا ہے وہ اُسکو پیار کرتی ہے  
 یونہیں اگلے طعنے غم سے روتے روتے پانی ہے      تری یاد اُس پر اگر اور دل کلخون کرتی ہے  
 صلاح ان ناخونکی میں نہ مانوں گانہ مانوں گا      گزرنے دیں مری جیسی گزرتی ہر گزرتی ہے



تھکے چشمِ جادو قن میں ہے معجزِ نانی بھی  
طبیعت رہتی ہے اٹھو پہ گھبرائی گھبرائی  
کلیجہ نہ ٹک آجاتا ہے ہلکی جو ہے آتی  
کبھی اک بات پر قائم نہیں ہتی زبانِ لکی  
محبت ہمدِ دل ہے نکل سکتی نہیں دل سے  
یہ دل کی زندگی جیتی ہے دلی موت کی جا

شہیرِ تشنہ کامِ عشق کی اب ہے رویِ حالت

گلے سے بوند بھی پانی کی مشکل سے اترتی ہے

۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء

کبھی حاصل نہ دید و لبرِ پردہ نشیں ہوتی  
بدلتے قولِ تھکوکِ دیر کیا لے ناز میں ہوتی  
پرستاری تو تکی تو ت ایمان و دیں ہوتی  
ندیدوں کی طرح اہل نظر سب ٹپڑتے ہیں  
جھٹلے آسمان سے تنگ تھے جا کر وہیں بستے  
سمجھتے ہیں جسے قاتل اُسی پر ہائے مرتے ہیں  
یہ اچھا تھا کہ تم پر آنکھ پڑنے ہی اجل کی  
مرزہ جب تھا کہ ہم تم دونوں ملکر ایک ہو جاتے  
کبھی تو دل ہی سے آپ رکھ لیتے مکرول کو

نگاہ شوق اگر دل میں نہ اتنی دوہیں ہوتی  
نکل کر دل سے منہ تک آتے آتے ہاں نہیں تو  
یہی زار کچے دھاگوں کی جبل المتین ہوتی  
کریں کیا نعمت دیدار سے سیری نہیں ہوتی  
نہ تو نایہ فلک جس جاز میں ایسی کہیں ہوتی  
محبت میں سچ ہے جان تک باری نہیں ہوتی  
وہی پہلی نظر میری نگاہ واپس ہوتی  
نہ تفریقِ من و تو اور نہ بحثِ آنِ ایں ہوتی  
کبھی تو شاد ماں یہ خاطر اندوہیں ہوتی

اگر آواز دیتے آپ میری عمر رفتہ کو وہیں سے دوڑتی بسیکہ تھی گو کہیں ہوتی  
جو آفسر پوچھنے کو آکا دامن ہاتھ آجاتا تو کیوں یہ چشم تر منت پذیر آتیں ہوتی  
ازل میں جس جگہ تقدیر تھی تھی رقیو کی ہماری کاش یہ بہشت قسمت بھی وہیں ہوتی

قوانی میں مجھے پابندی ترکیب لازم تھی  
شہیر آزاد کیونکر طبع مضمون آفرین ہوتی  
بقید یک قافیہ

جو طوفاں جوش چشم عاشق اندوگہیں ہوتی بڑھی دریاے دامن سے بھی موج آتیں ہوتی  
اگر گل کاریاں کرتیں نہ چھینٹیں غن بسمل کی تولے قاتل نہ تیری یہ بہار آتیں ہوتی  
پھٹے حالوں اگر بیتے نہ اپنی تنگ دستی سے تو کیوں ہر وقت فکر چاکہ جیب آتیں ہوتی  
شہید آخر جو ہوتا ہی تھا اک دن سب قاتلے درازی حیات اپنی بقدر آتیں ہوتی  
جگر پر ہاتھ پڑ جانا اگر بھر پور قاتل کا شگاف زخم میں ترکیب چاک آتیں ہوتی  
عدوے جیب دامن پنجہ وحشت نہ بن جاتا اگر دست جنوں سے دوستی آتیں ہوتی  
اڑا تا دھجیاں دست جنوں جب جیب دامن کا تو پھر کس طرح اسید بقلے آتیں ہوتی  
جو میں دست بہو پر بیعت پیر مغاں کرتا مری تر دامن خود دست بیج آتیں ہوتی

شہیر افسوس ہے پابندی عطف و اضافت سے  
نہیں تو اور کچھ بندش میں شان آتیں ہوتی

۱۴۔ ستمبر ۱۹۷۷ء

نیک رخ جتنا اڑایا عشق کی تاثیر نے  
 گر یہ بے صدفہ پر ہنس بہنس کہا تقدیر نے  
 راز تنگی و معمائے وہن سب کھل گیا  
 دور تھا گو لاکھ گھر وعدے پر آتے وہ ضرور  
 ماہی بے آب دل ہے دل میں موج غمطر  
 جلوہ صد رنگ حسن و یک نگاہ شوق عشق  
 پاؤں کیا وحشت نکالے وسعت صحر اکہاں  
 میری بیماری میں مجھ سے ہڑے نفرت تھی اسے  
 مطلب دل اس بت خود کام سے کہنا دھتا  
 ہتکڑی نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا  
 پاؤں چومے و شیلوں کے حلقہ زنجیر نے

وار پر تھا وار جب تک جان مجھ میں تھی شہیر  
 کر چکی بیدم تو آخر دم لیا شمشیر

۱۵۔ ستمبر ۱۹۷۷ء

کام کچھ بھلا نہ فکر و کوشش و تدبیر سے  
 لے تو آئے ہیں انھیں ہم راہ پر تدبیر سے  
 سخی لا حاصل نے منسوبایا مجھے تقدیر سے  
 چلتے فقر و کی مگر حل جائے جب تقدیر سے  
 ہے گلہ مجھ کو بھی اپنے نالہ شہیر سے  
 اسکے مارے نیند بھر سونے نہیں پاتے حسین

لے معبر میں نے خواب وصل دیکھا ہے مگر  
حسن اُدھر نہ آئے ماہِ عشق اُدھر پہنٹا کیسب  
دیکھنے میں سب کو دیکھے پھر نہ کچھ کئے نظر  
دکھ ٹکڑے دیکھے انکی کسی کی ضد یہ ہے  
چلتے ہیں بستگان زلف لوہے کے چنے  
جمع ہو جانا خیالات پریشاں کپہ خواب  
داغ دل داغ جگر ہی میری قسمت میں تھے بس  
ہاں بدل جاتا ہے اس شکل مثالی سے خیال  
خطا کی پیشانی رمی لوح جہیں سے کم نہیں

ہے اگر شرم سیہ کاری تو نادم ہو کے رو  
منہ کی کالک ہو شہیر اس آخری تدبیر سے

۱۴۔ دسمبر ۱۹۷۶ء

جو پہنتے بولتے تو شرح آرزو کرتے  
ہلاک حسرت مرگ نولے اجل ہوتے  
نماز پڑھنی تھی محراب تیغ قاتل میں  
جو دیکھ لیتے دل با وفا کے داغوں کو  
مخالفت میں بھی گروں کی کام بن جاتا

بتوں سے کس طرح اللہ گفتگو کرتے  
ہوا اور جیتے تو مرنے کی آرزو کرتے  
نہ اپنے خون سے کس طرح ہم دلو کرتے  
تو گل چمن میں نہ دعویٰ رنگ بو کرتے  
کہ ہم خلاف تمنا کے آرزو کرتے

نہ سنتے ایک بھی یہ دوتی کی خوبی تھی ہزار قم سے برائی مری۔ عدد کرتے  
 حضور جھوٹ کی تاویل تاکجا۔ آخر کہا تمک آپ کی باتوں میں ہم رفو کرتے  
 نہ پونچھتے کبھی آنچل سے غیر کے نشو  
 شہیر وہ جو مرا پاس آبرو کرتے

۲۵۔ جنوری سنہ

دل سے عزیز چیز سے الفت نہیں رہی نیرے سوا کسی سے محبت نہیں رہی  
 نالوں سے گھر میں۔ گھر کی تھانیں ہیں دیواریں اب پی صرف کھڑی چھتیں ہیں  
 لے باغبان ہائے یہ کیسی ہوا چلی گلشن میں رنگ۔ پھولوں میں کہتیں ہیں  
 کوچہ میں لکے ٹھوکریں کھا کھا کے مٹ گئی دنیا دیں کہیں کی قیامت نہیں رہی  
 سفاکیوں سے آپ کی یہ کام بڑھ گیا دم بینے تک کی موت کو فرست نہیں رہی  
 صورت ہماری ہو گئی صورت سوال خود کچھ اپنے منہ سے کہنے کی جانتیں ہیں  
 اپنے سے بد تراوروں کی تقدیر دیکھ کر مجھ کو کوئی شکایت قسمت نہیں رہی  
 کب آئے نزع میں وہ عیادت کی واسطے جب سانس لینے کی مجھے ملت نہیں رہی  
 جس سے ہوا ہو ترے عاشق کا سامنا دنیا میں ایسی کوئی مصیبت نہیں رہی

تا وقت واپس تھے سب ارمان اے شہیر

جب دم نکل گیا کوئی حسرت نہیں رہی  
 نور کال عشق سے ظلمت نہیں رہی آلودہ مجاز حقیقت نہیں رہی

مخصوص گن کے آنے کی ساعت نہیں ہے  
 تصویرِ یارِ شیشہ دل میں ازل سے ہے  
 رویا کریں قیب اب اپنے قیب کو  
 میں کامیاب ہو کر کہیں کام ہی رہا  
 کہتے ہیں مجھ سے آگے قیب تک سگلو  
 جب تک تھی جانِ ریزِ مصیبت میں جان تھی  
 آنکھیں فروغِ جاوہ معنی سے نفل کیں  
 دل پھنس گیا فریبِ محبت میں کیا کریں  
 تمیزِ دوستی و عداوت نہیں رہی  
 اب وہ لفظِ فریبی صورت نہیں رہی  
 پابندِ روز و وقت قیامت نہیں ہے  
 عکاسی خیال کی حاجت نہیں رہی  
 مجھ کو تو کچھ شکایت قسمت نہیں ہے  
 حسرت یہ ہے کہ اب کوئی حسرت نہیں ہے  
 دوری کی تم کو اب تو شکایت نہیں ہے  
 مرنے کے بن کوئی مصیبت نہیں ہے  
 اب وہ لفظِ فریبی صورت نہیں رہی  
 تمیزِ دوستی و عداوت نہیں رہی

جوشِ جنوں میں کب مری دیوانگی شہیر

خضرِ طرغی وادیِ وحشت نہیں رہی

۲۲۔ فروری سنہ

جنونِ عشق میں عقل و خرد میں نہجیاں رکھ دی  
 کلی کیا بے کھلی لا کر میانِ آشیاں رکھ دی  
 طلوعِ مہرِ عالمِ تاب کا سب کو ہوا دھوکا  
 سنگِ کرہائے جو اندر ہی اندر تاجِ بکر پہنچی  
 بجائے کوئے قاتل لائے کیوں گورِ غرباں میں  
 دل سوزاں کو اپنے چھوڑ آئے بزمِ جاناں میں  
 وہیں کوئے تنگِ فام بھی اے جانِ جاں کھدی  
 مرا گھر بھونکنے کو تو نے آگ اے باغیاں کھدی  
 کھلی تصویر تیری شبِ جو زیرِ آسمان کھدی  
 کیسی آگ تو نے دل میں اے سوزنماں کھدی  
 ہماری لاش لوگوں نے یہاں لاکر کہاں کھدی  
 جگہ اس شمع کے لائق جہاں یا بی وہاں کھدی

پڑھائی کتب الفت میں ایسی عشق نے پٹی  
نظر آتا نہیں رستہ عدم کے جانے والوں کو  
ادائے ناز سے لیکر مراد دل بسکے فرمایا  
نغماں میں مستغرق رہی بوجہ اتنی سرد آہیں  
اٹھا کر طاق نسیاں پر گستاخ بستاں کھدی  
کمر سے کھول کر تلوار قاتل نے کہاں کھدی  
امانت پھر نہیں مٹی اُسے جس نے یہاں کھدی  
غضب کی تو نے لاگ لے نا اٹھ نہ نشان کھدی

نظر جرجا شہیر اُس بیت کا نقش پائے ناز آیا  
نیاز شوق میں میں نے جبین اپنی وہاں کھدی

نصرت ہی سے وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے  
اوجن ترا جلوہ ہر جہ نظر آتا ہے  
جو پردہ باطن میں ہے جو خود آرائی  
جب آپ کی کھچتی ہے تصویر تصور میں  
کیا شہر خموشاں میں ارزاں ہے گراں خمیابی  
خط کتنا ہے تو جس کو اے نامہ بر جاناں  
ہے صورت و معنی میں تمیز جسے حاصل  
ہوتی ہے جراحت کی بھی نشو و نما دلیں  
کیا ٹوٹ کے گرتی ہے للچائی ہوئی توبہ  
یہ جذب تصور ہے یا وہم کی خستائی  
اک حسن کے منظر میں لاکھوں ہی مناظر ہیں  
وہ لاکھ حسینوں میں کیسا نظر آتا ہے  
پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے  
عکس آئینہ دل میں اس کا نظر آتا ہے  
صورت گراصلی کا نقش نظر آتا ہے  
ہر وقت جسے دیکھو سوتا نظر آتا ہے  
یہ تو مری قسمت کا لکھا نظر آتا ہے  
نیرنگ شود اس کو دھوکہ نظر آتا ہے  
جو زخم تھا گہرا اب ابھرا نظر آتا ہے  
جس وقت بھرا جام صبا نظر آتا ہے  
ہر دم کوئی پہلو میں بیٹھا نظر آتا ہے  
ناظر کو خدا جانے کیا کیا نظر آتا ہے

جو بحر حقیقت میں ہیں غوطہ زن عرفاں  
قطرہ میں شہیرا نکو دریا نظر آتا ہے

حسنِ قدرت کا مرقع وہ شبیہ ناز ہے  
بزم میں رہنا شمعِ پروانوں کی جو پرواز ہے  
سب سے پہلے جو پڑی تھی کان میں روتہ است  
دیر کی بھی سیر کر لے آکے لے شیخِ حرم  
حوصلے ہیں خاکسارانِ محبت کے بلند  
میرے ہوتے غیر کے دل کا نشانہ اُڑ گیا  
صبر سمجھاتا ہے چپ کی داد دیگا دادیں  
دل کو ہے صورتِ گراصلی کی صورت سے لگا

ضعف میں کیا منہ سے نکلیں نالہ ہائے دل شہیر

پاسبانِ حلق تو بیٹھی ہوئی آواز ہے

گرمیِ حسن بڑھائی یہ خود آرائی نے  
سوئے دم بھرنے دیا حسرت یکجائی نے  
کردیا قد کو قیامت سے بھی دو ہاتھ بلند  
پاؤں پڑ سکتے نہیں سنگ درجائاں پر  
تاب کیا دیکھ سکیں منہ جو ترا آئینے  
نیند آنکھوں سے اُڑاوی شہ تہائی نے  
لطفِ رعنائی دو بالا کیا انگڑائی نے  
پہرے بٹھلا دئے ہیں دلِ غیبِ سائی نے  
شانِ کثرت میں دکھائی ہے یکتائی نے  
جلوہِ حسنِ انزل سے ہے دو عالمِ معمو



سوز الفت سے جگر کو بھی نہ رکھا محروم پایا ہمدرد جو اپنا دل شیدائی نے  
 ہاتھ سے چھوٹ گیا دامن جاناں جو شہر  
 اپنا منہ پیٹ لیا دست تمنائی نے

کوشش بے سود تیرا ہی پتا تیر کی سامنے تدمیر کے چلتی نہیں تیر کی  
 تم نے کیا پھیری نظر مجھ سے زمانہ پھر گیا آنکھوں کی گردش میں گردش تھی تیر کی  
 ہم دکھاتے قید و محنت میں اگر زور جنوں ایک ہی جھٹکے میں کڑیاں ٹوٹیں زنجیر کی  
 کھینچ ہی لائی کندہ جذب الفت آپ کو سلسلہ حبیبانی دیکھی آہ پیر تاشیر کی  
 مار کر تیر نگاہ ناز عسافل سو گیا صید افکن نے نہر بھی کچھ نہ لی نچیر کی  
 سینہ و پہلو سے بھی قلب جگر کو لے اڑا آج دیکھی قوت پرواز انکے تیر کی  
 بونے میں منہ سے گویا پھول جھڑپے میں تیر

واہ وا کیا بات ہمارے لب تقریر کی

۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء

رات بوں وعدے کی ٹالی جائیگی پاؤں میں مہندی لگائی جائیگی  
 نیلے ڈورے ہی ابھی ڈالے رہو کان میں مشکل سے بالی جائیگی  
 ہو گیا موقوف رنگ عاشقی اب نہ چہرے کی بجالی جائیگی  
 دیکھو تم آئینہ خانہ میں نہ جاؤ ورنہ شان بے مثالی جائیگی  
 ہر گھڑی جو ہوتی جاتی ہو مڈھال وہ طبیعت کیا سینھالی جائیگی

کب چھپائے سے پھینکے داغ عشق چاند پر کیا خاک ڈالی جائیگی  
 آتے آتے نوجوانی آئے گی جاتے جاتے خور و سالی جائیگی  
 اب کے کیا توبہ نہ ٹوٹے گی شہیر  
 یہ بھری برسات خالی جائیگی

اک می جہان تزیین نام کو جو تن میں ہے اک تن فرسودہ جو بوسیدہ پہرا تن میں ہے  
 کیوں نگہ زینا کر ہے پس بھیکو مرتد میں نظر ان فرشتوں کی بھی تبت کیا مرے دلفن میں ہے  
 لاغری سے میں سیو لی پیکر فرضی کا ہوں صرف اک جسم خیالی میرے سبب راہن میں ہے  
 اس کے ہلوے کے ہیں طالب پاکبازان نگاہ لے کیم آئینہ جس کا واد دئی سین میں ہے  
 حسن یوسف سے نہیں کچھ کم کنیا کا بھی وہاں اُسکا جلوہ صریح ہے اسکا بند راہن میں ہے  
 موت نے اللہ ڈالا ہے یہ کیسا تفرقہ روح جنت میں تن بجان مرادفن میں ہے  
 جوش سبزہ سے مری تربت ہے مینائی شہیر  
 صاف وضع و سہیت خم گنبد درفن میں ہے

## مشققات

زنک صد ماتم کہ ہر ایک میخانہ ہوا آج کس منجوار کا لبریزہ پیمانہ ہوا  
 سنتے سنتے داستان غم انھیں ننید آگئی میری بیتابی کا قصہ ان کو افسانہ ہوا  
 وحشت الفت جوانی میں زیادہ بڑھ گئی ہوش کیا میں نے سینھا لا اور دیوانہ ہوا

کام جادو سے بت سحر نظر لیتے ہیں      آنکھوں آنکھوں ہی میں گھر دل میں کرتے ہیں  
 ہوگی اب اچھی طرح خانہ خرابی میری      کوچہ غیر میں سنتا ہوں وہ گھر لیتے ہیں  
 نقد جاں دینے کو تیار ہیں ہم قیمت میں      کوئی بیچے تو محبت کی نظر لیتے ہیں

ہچکیاں نزع میں لیتے ہیں مجھ مرنے والے      وہ سمجھتے ہیں ہمارا یہ کلا کرتے ہیں  
 دیر بیدار میں ہوتی ہے تو آزار طلب      اٹے خود جو رہ نہ کرنے کا کلا کرتے ہیں  
 رہتا ہے پیش نظر عالم تصویر خیال      ہم تصور میں انھیں دیکھ لیا کرتے ہیں  
 لیتے ہیں دست عقیدت سے توجہ جو قدم      اپنے ہاتھوں کو بھی ہم چوم لیا کرتے ہیں

ٹھنڈک ابھی پڑ جائے کلیم میں ہمارے      سرد آہ جو آئے دل دشمن سے نکل کر  
 دل میرا نہ ہوتا تو کسی شرخ کا جلوہ      پاتا نہ جگہ دادی ایمن سے نکل کر

بزم جاناں میں یوں آمد و رفت      ہنستے جاتے ہیں روتے آتے ہیں  
 دمدم دیکھتے ہیں جانب دل      تیر پر تیر وہ لگاتے ہیں  
 ہم تو کہتے ہیں حال دل درود      آپ سن سن کے مسکاتے ہیں

عاشق کیسو ہوں میرا دم نہ کھنے دیجئے      اک بلا ملتی ہے سر سے اسکو ٹھنے دیجئے

دیکھئے بحر جہاں میں عالم طوفان فوج  
دیکھئے پیر آب سے آنسو نکلنے دیکھئے  
آپ کے رنگ تغافل میں نہ دم بھر قوت  
ہر گھڑی غم سے مری صورت بدلتے دیکھئے

بہشت حسن جوانی کی آب و تاب ہے  
خدا کرے ترا لاکھوں برس شباب ہے  
حد میں بھی جگو دل کے داغ کا آئے  
تہ زمین بھی یہ مہتاب آفتاب رہے  
شہر ہوش میں اب آؤ وقت پیری ہے  
ارے بہت دنوں مست مئے شباب ہے

دعویٰ حسن میں کیا تم نے اٹھا رکھا ہے  
انتہا ہے کہ خدا خود کو نہا رکھا ہے  
جز و دیں لے بت کا فریہ محبت تیری  
دل میں ایمان کے مانند چھپا رکھا ہے  
دو نہ دو صاف مگر اتنا بتا دو مجھ کو  
کھود یا تم نے کہیں مل مراد لی رکھا ہے

واند نہیں اور غرض کوئی دوا سے  
اے بت تجھے ہم مانگتے ہیں اپنے خدا سے  
بڑھتا ہے مرض عشق کا تدبیر شفا سے  
چڑھتا ہے بخار اور مجھے نام شفا سے

گیسوئے بیچاں ہوا سے لٹکے برہم ہو گئے  
میرے اسباب پریشانی فراہم ہو گئے  
روز شب روتے ہی گزر اہم کو یہ پورا برس  
سال کے بارہ مہینے سب محرم ہو گئے  
آنسوؤں سے سوزش داغ جگر عاقی رہی  
اشک حسرت داخل اجزائے مرہم ہو گئے

پہاڑ سے خونِ ناحق کا بھی وہ خون بہا دیئے  
 کسی پر کس طرح مرتے ہیں کیونکر جان دیتے ہیں  
 بھائی لئے نہ اپنے منہ سے ہم کچھ وجہ حیرانی  
 خدا جیسا اچھیں رکھے باا سے مار ڈالیئے  
 کر لیئے بندہ مہرِ محشر میں کن کن دعا ہوں کے  
 دکھا نیکو بعد پر آ کے چار آنسو بہا دیئے  
 رہے زندہ تو اسکو بھی تھیں مر کر دکھا دیئے  
 مگر چپکے سے آئینہ انھیں لاکر دکھا دیئے  
 سلامت وہ رہیں۔ ٹھیک بٹا دیئے ٹٹا دیئے  
 گلا میری طرح کس کس کا آخر وہ دبا دیئے

حصہ نورِ نظر حسن کی تنویر میں ہے  
 الفتِ زلفِ تسیناں دل لگیر میں ہے  
 نقشِ ثانی ہے اسی وجہ سے لاثانی ہے  
 کس طرح دل سے گزر جاتی ہے قاتل کی نظر  
 دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں ہے مقل  
 جلوہ جو ہر ہمیش تری تصویر میں ہے  
 دلِ دلگیر مرا زلفِ گرہ گیر میں ہے  
 تجھ میں وہ بات نہیں ہے تری تصویر میں ہے  
 نہ تو سوافار نہ پریشان ہی اس تیر میں ہے  
 آنکھ پھر خاک ترے جو ہر شمشیر میں ہے

دل سے دشمن کو نہ اپنے دوست لکھوں کس طرح  
 دامنِ قاتل زبان تیغ ہیں دونوں گواہ  
 روز بن بن کہ بگڑنے ہی میں ہے کچھ آن اگر  
 جسکو تم چاہو مجھے اُس سے محبت کیوں نہ ہو  
 خونِ ناحق میں مے انکی شہادت کیوں نہ ہو  
 تو تمھاری زلفِ پیچاں میری قہقہے کیوں نہ ہو

یہ کس ظالم کا نقشِ پامری خاکِ حد پر ہے  
 کہ ہر اک ذرہ میں تابندگی مہرِ محشر ہے

دل مایوس جو ظاہر میں ہے مجموعہ حسرت  
اسی کے ذروں میں راز پریشانی پھنسا ہے  
میں جوش بخودی سے لپٹے آپے میں نہیں رہتا  
تھکا رامیرے پاس آنا نہ آنے کے برابر ہے

چھڑاؤں کس طرح دل غ و فاکو قلب مضطرب ہے  
جدا ہونا عرض کا جب کہ انگلیں سے چھیرتے  
ہنستے قدر ارباب ہنستے ہوتی ہے دنیا میں  
اصالت تیغ کی ہوتی ہے فانی سے بڑھ کر  
جراہونا توانی کا وہ آئے ہیں عیارت کو  
پے پر تعظیم لیکن اٹھ نہیں سکتا میں سیرت  
محبت آپ کی یہ کہہ کے دل میں جم کے بیٹھی ہے  
نکالے لاکھ کوئی میں نہ بکونگی اس گھر سے  
طلسم رنگ بوسے گل ہو یا جوش جوانی ماہو  
زیادہ کیا بہار ان دونوں کی ہستی ہر شب بھر سے

آج آبِ دم شمشیر کی طغیانی ہے  
کوئے قاتل میں شہید و گل ہو پانی ہے  
تم نہ سن سکتے ہو آنا نہ میں کہ سکتا ہوں  
ماجرائے شبِ غم قصہ طولانی ہے

شبِ داغ آتش سے بھی تیرگی میں کمی نہیں ہے  
کیسی اندھیر میرے گھر ہے کہ چاند نہ چاندنی نہیں ہے  
جیکو کھا ہے پیچ میں تنے بھونکا ہمارا گونہ میں  
یہ مجھ شہیدِ فاکا دل ہے کسی چمن کی کلی نہیں ہے

ادھر ادھر بٹنے تھے تنگے غریب آسے جلے ب  
مگر شبِ غم ابھی ہے باقی کہ شمع پوری جلی نہیں ہے

# غزلِ وفاتِ فصیح الملک نواب مرزا داغ دیو میرواں شیائے

لب پر کیوں نالہ و فغاں ہے      کیوں آنکھ غم آنکھوں سے رواں ہے  
 دامن سے رنگِ غم عیاں ہے      خونِ نابِ دل آنکھوں سے رواں ہے  
 جنت میں داغِ خاک پر ہم      اب فرقِ زمین و آسماں ہے  
 ہے میتی ہستی جہاں سب      دراصل نہیں ہے جو یہاں ہے  
 ہے باغِ جناں میں بیلِ ہند      ہاں اب فردوسِ آشیاں ہے  
 اے ملکِ عدم کے جانے والے      اللہ ترا نگاہیاں ہے  
 برسوں سے چھپا تھا دلِ میجِ درد      بن کر وہی داغِ اب عیاں ہے  
 ویرانہ نشاںِ مکانِ ہٹو کا      وہ جا ہے جہاں حُجّانِ جاں ہے  
 کہتے تھے فصیحِ ملک جس کو      وہ بیلِ ہند اب کہاں ہے  
 ہے زخمِ چور کا میرے دل میں      اس کا اب کون یا ساں ہے  
 پیہم جاری ہیں آنکھوں سے اشک      دن رات یہ قافلہ رواں ہے  
 اے بیلِ ہند تیرے غم میں      اب طائرِ روحِ نیجاں ہے

کب موت سے ہے شہیرِ غافل  
 ہر دم اُسے یادِ رفتگاں ہے

پایان

اک روز سبھی پہلے برے جائینگے  
اطفال و جوان و پیر و بیمار و صحیح

اعمال ہی صرف ساتھ لے جائینگے  
آئی جب آئے گی چنے جائینگے

مرنے کے نہ دل سے حوصلہ جائیگے  
تو چار کے کا ندھے ہی چلے جائیگے

دیگر  
ناحق مرتے ہیں عم فانی کے لئے  
دیتے ہیں جان زندگانی کے لئے  
نادان ہیں وہ شہسبز بچوں کی طرح  
بیری میں جو روتے ہیں جوانی کیلئے  
دیگر

یہ عمر ہے لطفِ زندگی کے لئے  
یہ سب سامانِ میں جوانی کے لئے

دیگر  
 بوڑھا، کمزور، بیچ کارہ ہوں میں  
 بجز خاکِ گور کس کو پیار ہوں میں  
 یہ وقت مدد کا ہے عصائے پیری  
 آتھام لے ہاتھ بے سہارا ہوں میں



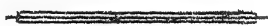
اس غم کئے سے شاد و بدل جاؤنگا تربت میں بزرگ کھل جاؤنگا  
سیرشے کے لئے رنج ہے جانب اصل ہوں خاک ہی خاک ہی میں جاؤنگا



دکھ درد کا لے ضعیفی مارا ہوں میں عیب ظاہر سا آشکارا ہوں میں  
پہ صبح شب شباب جلوہ میرا پیری میں چمکتا ہوا تارا ہوں میں



پیری میں شباب والی طلعت نہ رہی کافور صباحت ہوئی رنگت نہ رہی  
پڑتی حسینوں کی بھی جس پر آنکھیں افسوس شہیرا اب وہ صورت نہ رہی



عباد اہل کی ہے یہ دنیا کین گاہ کرتا ہے منکار روز و شب شام و پگاہ  
پیری ہے گھات میں جوانی کے شہیرا یہ باز سفید ہے پس زار غ سیاہ



پہ طول اہل کا سلسلہ پچا پیچ آرام کی نیند چل کے سٹوگھوڑا پیچ  
نکر عقبی شہیرا کر چھوڑا ہوس دنیا پیچ است و کار دنیا ہمہ پیچ



بے لگا دون کی جو طفلی سے شباب باقی رہی ضبط کی ضعیفی کو نہ تاب  
لسانی جوانی کی نہ کچھ پیش گئی وہ وہ دنیاں شکنجے پیری کے جواب

بھوٹوں اے شیخ کیا جوانی کا مزہ ہے یاد شراب ارغوانی کا مزہ  
جب سے یادش بخیر وہ شے چھوٹی کھانے کا مزہ رہا نہ پانی کا مزہ

گلی زیریں سے سرکھٹ آتے ہیں گلشن میں غریب آکے لٹ جلتے ہیں  
آتی نہیں راس باغِ عالم کی ہوا غنچے سے پھول ہو کے مرجھاتے ہیں

عادل لکھا کریں شفا کا تقویٰ بیمار کو کیا کرے گا اچھا تقویٰ  
روکے رکھتی نہیں جب آتی ہے اجل بیکار ہے جھاڑ پھونک گنڈا تقویٰ

ایام شباب کی عجب باتیں تھیں راحت کے دن تھے عیش کی باتیں تھیں  
پرے پرے میں ہوتی تھی پردہ دری چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں تھیں

پے فاتحہ خوانی سے غرض نہ نام فقط پھیلا ہے قل اعوذیوں کا دام فقط  
مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں حلوے مانڈے سے انکو پے کام فقط

کچھ نیک عمل نہ بہرِ انجام کیا دنیا کے مزے اڑائے آرام کیا  
کھایا پیا سوئے جاگے اٹھے بیٹھے کام اتنے کئے مگر نہ کچھ کام کیا

چشم باطن میں جو ہے وہ نور ہے تو آنکھوں میں ہے نظر سے مستور ہے تو  
گردن کی رگ سے بھی زیادہ ہے قریب اتنی قربت پر اور پھر دور ہے تو

اوروں کی طرح جو شکل دیتا دیکھی دوشیزہ و نوجوان و رعنا دیکھی  
سو بھانہ کہ زال ہے یہ مکارہ دہر اندھے ہوئے ہم بھی سب کی دیکھا دیکھی

خاموشی میں کوئی میرا مساز نہیں وہ ساز ہوں میں کہ جس میں آواز نہیں  
آواز بھی ہے تو کب ہے انداز کلام گویا ہوں مگر سخن کا انداز نہیں

مستی و سرور و شادمانی کب تک بے فکری و عیش و کامرانی کب تک  
جاہ و اقبال و مال و اعزاز و خطاب حاصل بھی ہوئے تو زندگانی کب تک

مجموعہ دہر ہے بکھرنے کے لئے سب آئے ہیں جان سے گزرنے کے لئے  
ہستی ہی دلیل نیستی کی ہے سمیر جینا ہے چند روز مرنے کے لئے

فاسق ہو کوئی پارسا ہو کوئی کافر ہو کوئی - با خدا ہو کوئی  
ہم بندہ عشق ہیں ہمیں کیا مطلب اچھا ہو کوئی یا بُرا ہو کوئی

ہر ایک کے دل میں اچھی صورت کی ہے چاہے  
خالق کے یہاں بھی خوش جمانو کی ہے راہ  
بت کرتے ہیں معمولے خدائی اس سے  
کیا چیز یہ حسن بھی ہے اللہ اسد

ہر شے میں جلو گر ہے قدرت تیری  
ہر چیز سے ہے نمود صنعت تیری  
ہے کاہ سے کوہ تک ظهورِ حکمت  
کثرت سے عیاں ہے صاف وحدت تیری

کھویا۔ رٹری۔ وہی۔ ملائی۔ نیچو  
ملتی نہیں نوکری تولے اہل قلم  
خلوہ پوری گزک مٹھائی نیچو  
پیسے ڈبیہ دیا سلائی نیچو

جو ہم سے بے تھے وہ دباتے ہیں ہمیں  
جو ہم سے بنے تھے وہ بناتے ہیں ہمیں  
جو دست نگر رہے ہمارے برسوں  
اُلٹے آنکھیں وہ اب دکھاتے ہیں ہمیں

مدت پر آئی ہے ملاقات کی رات  
جاؤ گے کہاں ٹھہر رہو رات کی رات  
دو عیش کی داد ہو رہی ہے بارش  
رکھتی ہے عجب بہار برسات کی رات

نافموں کو شعر کا سنا ہے عبث  
انہصوں کو چراغ کا دکھانا ہے عبث  
آگاہ نہیں رموز فن سے جو شہیر  
اُن کو ان نکمتوں کا بتانا ہے عبث

وہ حسن کہاں کہاں وہ صورت میری      سونلا گئی ہے گلابی رنگت میری  
لیکن دل کی اُٹنگ اچک ہے وہی      پیری میں جو ان ہے طبیعت میری

بڑھتی جاتی ہے اب مخافت میری      گھٹتی جاتی ہے روز قوت میری  
ہے لاکھ مرض یہ ایک ضعف پیری      اچھی رہے کیا شہیر صحت میری

## محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم تو سن ہمت کو جب ایڑ لگا دیں گے      رستہ میں پہاڑوں کو ٹھوکر سے اڑا دیں گے  
دم میں جو ہے دم پھیل عالم میں بچا دیں گے      زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو دکھا دیں گے  
مشرق کا سرا اٹھ کر مغرب سے ملا دیں گے

لا علم نہیں اس سے آگاہ زمانہ ہے      زیرِ نظر برقِ نرمن ہے جو دانہ ہے  
مضمون حقیقت میں یہ فلسفیانہ ہے      دھارے میں سمندر کے بجلی کا خزانہ ہے  
بتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دیں گے

گو سوزِ غم قومی سے آنکھیں ہیں فوارہ      پھر بھی تہِ خاکستر ہیں اٹکر صد پارہ  
ہر چند ہیں افسردہ لیکن نہیں ناکارہ      ہم سینہ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ

شعلے بھڑک اٹھیں گے جھوٹے جو ہوا دیں گے

وہ اہل کلیسا ہوں دیر کے ہوں ساکن      فکروں میں مٹانے کی اسلام کے ہائی دن  
ہر اسکو سمجھ رکھیں بالکل ہے یہ ناممکن      ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن  
وقت آنے دو وقت آنے دو پھر تلو تلو دیں گے

گہ بانتر مغرب گہ مشرق خاور میں      تھے بحر میں قطرہ زن پھیلا ہوئے تھے بریں  
اٹھے تھے پہاڑوں سپہ پختے تھے سمندر میں      فاران پہ گرے تھے برے تھے جہاں بھر میں  
گھر کر جو کہیں کر کے پھر ہوش اُٹھا دیں گے

گو قلم ہستی میں ساحل بھی ہے یا سمی      ہے نفع کی امیدوں میں خطرہ بید بھی  
انداز و آمد میں ہے طرز برآمد بھی      دنیا کے سمندریں ہم جزر بھی ہیں مد بھی  
دیکھو جو ہیں ٹوکا طوفان اٹھا دیں گے

کیا دیدہ تر بارش میں ابر سے کمتر ہے      جو اشک کا قطرہ ہے وہ دانہ گوم ہے  
ہر وقت نظر اپنی افضال خدا پر ہے      مرجانی ہوئی کھیتی اب ہم تو کیا ہیں  
پھینے ہمیں رحمت کے پھر نشو و نما دیں گے

اس گشن ہستی سے اوکھڑے نہ ٹوٹیں گے      یہ ہم سے نہ چھوڑے گا ہم اس سے چھوٹیں گے  
اب نامیہ کی دولت آزادی کو ٹینگے      جڑ ہم نے پکڑ لی ہے گلے سے پھوٹیں گے  
گر خاک میں بھی ہم کو اکبار ملا دیں گے

بے چارے مسلمانوں کا زور گھٹا دیکھیں      اک اک کا تر تیغ سیدار گلا دیکھیں

قاچاری و عثمانی شاہوں کو گداؤ کہیں ایران ہو یا ترکی دونوں کو سنا دیں

کیا صفحہ ہستی سے اسلام مٹا دیں گے

سننے کو کہہ دی ہے پھونکو کو کہہ دی ہے نخلوں کو سرفرازی سنبل کو لشکر دی ہے

ذروں کو بھی قسم ہے صلح نے چمک دی ہے اسلام کی فطرت میں قدرت نے چمک دی ہے

آنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

دب جائیگی سب نی تحقیر کی آوازیں اٹھیں گی نہ یہ کفر و تکفیر کی آوازیں

آئے لگیں گی تیر و شمشیر کی آوازیں گونجے گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں

یہ صورت جہاں پھونکا مردوں کو جلا دیں گے

ممکن نہیں دنیا میں کوئی ہو سیر ایسا گرمی سخن پا کر گرے مائے نہ جو اصلا

اس قول کے قائل کا بالکل ہے بجا دعویٰ اے جذبہ اسلامی جس دل میں تو ہوگا

یہ نظم مصفیٰ پڑھ کر تمام اس کو سنا دیں گے

یکم مارچ ۱۹۱۳ء



# تختِ غزلِ ترائے اقبال ۱۸ اگست ۱۹۱۳ء

ماہی سے ماہ تک ہے سکر ویاں ہمارا      ڈنکا زمین سے ہے تا آسماں ہمارا  
آفاق میں لقب ہے گیتی ستاں ہمارا      چین و عرب ہمارا۔ ہندوستان ہمارا  
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

غربت کہاں کی ہر جا ہے خانہاں ہمارا      ہر ملک شہر قریہ میں گھر ہے ہاں ہمارا  
روم و عراق و شام و مازندراں ہمارا      چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا  
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

آثارِ گو خرابی کے ہو چلے ہیں پیدا      ایران مٹ رہا ہے ٹرکی کا ہے صفایا  
لیکن ہے اس عقیدے سے دل قوی ہمارا      دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا  
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

ماوا و اصل منشا محبوب کبریا کا      اسلامیوں کا قبلہ مولد وہ مرفعی کا  
بتائے اول ابنِ آزر ہے جس بنا کا      دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا  
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

جانناز جیسے ہم ہیں ایسے کہاں ہوئے ہیں      بچپن سے مردمی کے جو ہر عیاں ہوئے ہیں  
نیزوں کے نیستان میں شریزاں ہوئے ہیں      تینوں کے سایہ میں ہم پلک جواں ہوئے ہیں  
خنجرِ بلال کا ہے قومی نشان ہمارا



اے چرخ پیر لڑکے اکثر جواں ہوئے ہیں      لیکن ہمارے ایسے کتر جواں ہوئے ہیں  
کھا کھا کے زخم اپنے منہ پر جواں ہوئے ہیں      تینوں کے سایہ میں ہم لکڑ جواں ہوئے ہیں

فخر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

اسلام پر عقیدہ راسخ ہے اور محکم      فتنہ ہمارے مسلم ہم ہیں یہ ہے مسلم  
ہیں حق پرست حامی حق ہے ہمارا ہم      باطل سے دہنے والے لے آسمان نہیں ہم

سوار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

پہلے کی طرح گواہ ہر جا نہیں ہیں ہم      رکھتے ہیں ملک و لشکر بھر بھی کسی میں ہم  
حق کے کرم سے اب بھی ہیں ملک میں ہم      باطل سے دہنے والے لے آسمان نہیں ہم

سوار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

باقی نہیں ہے کوئی اب مصیبت نہیں گو      تیرا گزرجو سوئے اسپین اے صبا ہو  
کننا کسے آسا پوچھا ہے تجھ سے اور      لے گلستان اندس وہ دن ہیں یاد تجھ کو

تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

نہ انیوس چھینا کر کے جسا دتھ کو      تھرا سے پھر بنایا مینو سوا دتھ کو  
ہر ایک جانتا تھا بارغ مراد تھ کو      لے گلستان اندس وہ دن ہیں یاد تھ کو

تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

ہمت بڑھی تھی ایسی تھا ہر حال ممکن      ہندوستان کے تھے فاتح عرب کے ساکن  
چھ سات سو برس کا یہ واقعہ ہے لیکن      لے آپ دنگنگا ہیں یاد تجھ کو وہ دن

اترا ترے کناے جب کاررواں ہمارا  
کیسے تھے جادہ بیماہیں یاد تجھ کو وہ دن تھی سیر کوہ صحراہیں یاد تجھ کو وہ دن  
چڑھ آئے چڑھتے دریاہیں یاد تجھ کو وہ دن آئے آب رو دو گنگاہیں یاد تجھ کو وہ دن  
اترا ترے کناے جب کاررواں ہمارا

میں دور پھر بھی تیرا پاس ادب کا ہر دم موبہ و نقد جہاں ہے دولت میں تو کیا غم  
واقعہ برب کعبہ اس ہے سارا عالم آئے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ کر ہم  
ہے خوں تری رگوں میں اب تک دلاں ہمارا  
وقت جہاد دینی حرمت پر کٹ کر ہے ہم مذہب کے پاس قومی عزت پر کٹ کر ہے ہم  
یوں کب حصول ملک دولت پر کٹ کر ہم آئے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ کر ہے ہم  
ہے خوں تری رگوں میں اب تک دلاں ہمارا

سطوت کھش جہت میں ہر سو عیاں ہماری بیٹھی تھی ہاک بے مسکوں میں ناں ہماری  
مشرق ہی تھکے کچھ تھیں جاننا زبان ہماری مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری  
رکتانہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا  
تھا چار دانگ عالم میں عرب اپنا طاری اعلان کلمۃ الحق میں تھے کبھی نہ ہماری  
تکبیر کی صدائیں سن کانپ اٹھے ہماری مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری  
رکتانہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اللہ سے فقط ہے راز و نیاز اپنا خوشنودی خدا ہے سامان ساز اپنا

ہے نصرتِ حق سے آقا بندہ نواز اپنا سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

عثمانوار قافلہ ہے میر حجاز اپنا مختار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

سرور قافلہ ہے میر حجاز اپنا سالار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

گو آپ رہتے ہیں ہم اپنے غم کے ہائے جیتے مگر ابھی ہیں ہمت نہیں میں ہائے

بس کو سمجھیں اہل تشکیک و شرک سائے توحید کی امانت سینے میں ہے ہائے

آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

پاک اعتقاد و وحدت سینوں میں ہے ہائے اسلام کی عقیدت سینوں میں ہے ہائے

ہیمن و دیں کی دولت سینوں میں ہے ہائے توحید کی امانت سینوں میں ہے ہائے

آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

قولِ شہیر کیا ہے غیبی صدا ہے گویا حق بر زبان جاری ہے جو کہا ہے گویا

یہ جوش و جذبہ ہیں خود رہنا ہے گویا اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ بیجا پھر کارواں ہمارا

جو راہ گیر غفلت کی نیند پڑے سویا وقت عزیز و زار راہ اپنا اس نے کھویا

اٹھو شہیر راہ مقصود میں ہو پویا اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ بیجا پھر کارواں ہمارا

## تخمیں غزل غالب علیہ الرحمۃ

شان خدا نمود ز شان محمد است      دندان گہر بہ درج وہان محمد است  
قرآن حسن نطق لسان محمد است      حق جلوہ گر زطر زبان محمد است  
آئے کلام حق بہ زبان محمد است

کتاب ہے کون ساری خدائی کا بندوبست      اس راز کی خبر ہے کسے ہو ہے حق پرست  
جو کار ساز خلق ہے خالق کا پیش دست      تیر قصا ہر آئینہ در ترکش حق ست  
اما کشاد آں ز کمان محمد است

راز و نیاز عاشق و معشوق سر و قد      پہناں نہیں ہے جانتے ہیں صاحب خود  
قرآن ہی میں ڈھونڈ تو مل جائیگی سند      ہر کس قسم یہ اُنچہ عزیز است می خورد  
سو گندہ کردگار بہ جان محمد است

احمد میں اور احمد بے میم میں دونی      وہ جانتے ہیں عقل میں تنگی ہے کچھ کمی  
تکوین انھیں سے اصل میں کائنات کی      دانی اگر بہ معنی لولاک و ارسی  
خود ارجہ از حق است ازان محمد است

نام خدا ہے اسکی تو کچھ اور ہی بہار      گلبن کے ہوتے تذکرہ شاخ خاردار  
اس ظل حق کے سامنے کیا اسکا اعتبار      واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گزار  
کہ اینجا سخن ز سرور وان محمد است

قصہ کلیم و طور کا دیرینہ ہو چکا      ذکر خلیل و نار ہے مدت کا ماجرا  
دی ہو خدا نے چشم حقیقت نگر تو آ      بگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را  
کال نیمہ جیشے ز نیاں محمد است

خاتم سے پائی لاکھ سیلہاں نے مرد      لیکن نہیں ہے وصف اضافی پے پسند  
جو ہر جو ذات میں ہو وہ بیشک ہستند      در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود  
اں نیز نامور ز نشان محمد است

نعت نبی سے عہدہ بر کیا بھلا ہوں ہم      چھوٹا منہ اور بات بڑی حق کی قسم  
تساثر شہیر کہہ گیا کیا خوب مرتے دم      غالب شتائے خواجہ بہ زردان گزاشتم  
کال ذات پاک مرتبہ دان محمد است

## خمسہ بر غزل حسان الہند رضواں مراد آبادی

کبھی چشم ظاہر نے دیکھا نہیں ہے      مگر دیدہ دل سے پردا نہیں ہے  
تو پہناں نہیں یا ہویدا نہیں ہے      کہیں بھی نہیں اور کس جا نہیں ہے  
ترا جلوہ ہے کچھ تما شائیں ہے

کبھی یہ کنشت و کلیسا نہیں ہے      بتوں کا یہاں دخل اصلا نہیں ہے  
شرف میں کم از عرش اعلیٰ نہیں ہے      یہ مکہ نہیں یا مدینہ نہیں ہے

تھیں دل میں ہو جب تو پھر کیا نہیں تھا  
 ہیں خوفِ دوزخ کا اصلاً نہیں ہے شفیع الوریٰ مصطفیٰ کیا نہیں ہے  
 نبوت کی تنقیصِ زیبا نہیں ہے شفاعت سے انکار اچھا نہیں ہے  
 قیامت میں در نہ ٹھکانا نہیں ہے

وہ شکلِ دل آویز صورت وہ بھولی  
 شکریہ مٹھی باتوں میں گویا ہے گھولی  
 گرہِ رازِ قدرت کی اس طرح کھولی  
 جو کثرت سے پوچھا تو وحدت یہ بولی

محمد کا عالم میں ہمتا نہیں ہے  
 اگر یہ نہ ہو تو احمد کا ہودھوکا احمد سے جدا بھی سمجھنا ہے سودا  
 ہے شکلِ دہن گو مگو کا ہے نقشا معمر نہیں میم احمد کا کھلتا  
 خدا جانے یہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے

یہی آب ہے اور گوہر یہی ہے عرض ہے یہی اور جوہر یہی ہے  
 حدوث و قدم دونوں کا گھر یہی ہے محال اور ممکن کا منظر یہی ہے  
 یہاں میم احمد میں کیا کیا نہیں ہے

جبینِ قمرِ عارضِ مسرِ انور اسی اسم کی وجہ سے ہیں منور  
 خطِ نور میں کلکِ قدرت سے کیسر ملک کے پردوں پر فلک کے دروں پر  
 کہاں نام احمد کا لکھا نہیں ہے

نہیں اور فریادِ رس کوئی حاشا  
 تھپڑے ہوں موجِ حوادث کے کھاتا

زرا اب نہیں ڈوب جانے میں وقتاً مجھے تھام بحر مصیبت میں شا۔

کہ تنگے کا بھی اب سہارا نہیں ہے

یہ رحمت کے رشتہ سے گویا سلی ہے شقاوت کی بیل اکیں ہر سونگی ہے

عطا پاش ہو کر خطا پوش بھی ہے شفیع جہاں کی عبا کہہ رہی ہے

وہ دامن ہی کیا جس میں پروا نہیں ہے

اے کم نہیں سوز عشق پیہر محبت کی گرمی ہے تجھ سے بھی بڑھکا

زرا بھی نہیں آئینے کی مجھ پر نہ گرنا نہ گرنا بس لے مر محش

مرا داغ دل تو نے دیکھا نہیں ہے

تماشا تو کچھ سوز الفت کا دیکھو نہ لے ہمد موجھ کو گریہ سے روک

کٹھن جاؤ اشک دفا کو نہ پونچھو غم شہ میں رونے بھی دوشم تر کو

یہ بادل ابھی کھل کے برسا نہیں ہے

بڑے لطف و آرام کے ساتھ سوتا یہ حوروں کی خاطر نہ راتوں کو روتا

ہولے جہاں میں نہ جان اپنی کھوتا شنا خوان فردوس زا ہد نہ ہوتا

مدینہ ابھی اس نے دیکھا نہیں ہے

ولائے نبی جب کہ ہو دین وایاں فدا پنجتن پرہیں میرے دل و جاں

یہ کہنا شہیر آپ کا ٹھیک ہے ہاں مددگار رضواں کے ہیں شاہ مراں

زمانہ عدو ہو تو پروا نہیں ہے

## خمسہ بغل حسان الہند رضوان مراد آبادی

ہم تن آپ پر چھپے جاؤ ہے وہیں صدقے      شمار ارض سما تحت انہی عرش بریں صدقے  
ملا کسوح انس جاں فدایوح الایں صدقے      مراد ہی نہیں قباں ہی جاں ہی ہیں صدقے

دو عالم آپ پر یا رحمۃ اللعالمین صدقے

حلاوت پردہن کی شیرہ جاں انگلیں صدقے      عنایت پر زبان پاک کی ماہ معیں صدقے  
کلام روح پرور پر خضر با صدیقین صدقے      لب جاں بخش کی باتوں پر اک ہم ہی نہیں صدقے  
حکیم اللہ صدقے عیسیٰ گردون نشیں صدقے

نیاز عشق و الفت کا کیا حاصل ہنر میں نے      ہم کی اسلام عقبہ عالی کی سر میں نے  
لغالی اللہ پایا کیا شرف بیدر سر میں نے      کئے سجدے جو سنگ آستان شاہ پر میں نے

نخط تقدیر پر ہو ہو گئی لوح جمیں صدقے

محبت تیرے شے خدا کو بھی ہے جسکی چاہ      شہادت کے لئے قرآن کف کتے ہیں حق کا  
کلام حق یہ ہے شک کی نہیں ہے اس کوئی راہ      تو وہ محبوب خالق ہے کہ تجھ پر یا رسول اللہ

جہاں بھر کی تھیں جتنی خوبیاں سب ہو گئیں صدقے

شرف کیا مانتے آیا قاصدی رب اور کا      بڑھا کر بول میں مرتبہ ناموس اکبر کا  
ستارہ خوب چمکا واقعی اُس کے مقدار کا      شب معراج میں خادم بنا تجھ سے پیغمبر کا



نہ کیوں نجات رسا پر اپنی ہو روح الامیں صدقے

پئے نفع سیہ کاراں گوارا کر لی سب ایذا      مے جو بار عصیاں سے تھے انکو کر دیا ہلکا  
نجات امت عاصی کا حق سے لے لیا وعدا      گنہگاروں کی خاطر تم نے بھیلیں تختیاں کیا کیا

دل و جان دونوں تم پر یا شفیع المذنبین صدقے

جمال پاک کے ظاہر ہوئے افلاک پر جلوے      فرشتے ہو گئے شیدائی حسن عالم آرا کے  
تقدیق ہوئے کو غلمانِ رخصاں شوق میں دوڑے      شب معراج میں جب سیر کرتے آپ جاتے

رخ پر نور پر جنت میں حوریں ہو گئیں صدقے

زمین بپت تھارتبہ دیا افلاک کا مجھکو      نہ رکھا فیض جاں بخشی سے پتلا خاک کا مجھکو  
بنایا تابع قمر ماں شہ لولاک کا مجھکو      کیا ہے امتی اپنے حبیب پاک کا مجھکو

ترتی حمت پہ میں اے خالق جاں آفریں صدقے

میراق عرش پیمایا پر سر افلاک جب ہوئے      فرشتے شوق پا بوسی میں بتیا بانہ سب دوڑے  
رکاب پاک سے مل مل کے آنکھیں اپنی تھے      ترے نقش قدم پر سر فراگردوں نشینوں کے

ترتی نخلین پر تاج سلاطین زمین صدقے

ترے حسن جہاں افروز پر تیری مہابت پر      ترے اس عارض گلرنگ پر تیری صباحت پر  
ترے ہنسار تاباں پر تری پاکیزہ طلعت پر      ترے پر نور چہرے پر تری نورانی صورت پر

چراغ ماہ قرباں شمع خورشید میں صدقے

نثارِ الفت انساں ہوئے اکثر بنی جان تک      نہیں محدود کار عشق بقیس سلیمان تک

قدانی رکھنا ہے سب سے پہلے اپنے دل میں رکھ کر  
پہلی شاہ کا آوازہ پہنچا دے اور کہو کہ

تو لیکھا کی طرح یہ سب شہزادے ہیں صدی

مشائے عرش عظم اسکو بھی مجلس ہے غزوات  
تو صدق روز و شب اس پر ہو کر ہے شہزاد  
یہیں سے زاریوں کی ملتی ہے جنت کی سیدھی راہ  
ترا رو صد وہ دکش ہے کہ جس پر ہمارا سوال

بہار عرش صدی نہایت فطریں صدی

شہزاد یہ محسن ہے کہ مجموعہ سعادت کا  
عیان ہوتا ہے رنگ الفاظ سے حسن عقیدت کا  
گل تر حرف حوت اس کا گویا ہے باغ حیات کا  
یہ رعناؤں کی غزل ہے یا کوئی گلہ نہ جنت کا  
ہیں ہیں ہر فرمہ سبحان فردوس ہیں صدی



## مثنوی بعنوان کربلا مسجد باطل کتاب

مدتیۃ الرسول مصنفہ ۱۲۰۱ھ

خامہ کونہ کیوں ہو اس قدر ناز  
ہے عزت و القلم سے ممتاز  
اس پر مایسٹرون بھی واہ  
ماشاء اللہ و بارک اللہ  
قرآن میں اس کی یہ قسم ہے  
جو خالق لوح و القلم ہے

کیا ہو تحریر اس کی تو ہیست  
 دی ہیں اسے تو نے ردِ رائیں  
 ذکر اللہ و سبحانہ ہو  
 عرش و کرسی سے ہے سکرم  
 دست قدرت میں خود ہے محفوظ  
 ماکان و مایکون و کن کا  
 سب علم و ارادہ اُسے  
 گردش اس کی ہے زیب تحریر  
 سجدے میں قلم جو سرنگوں ہے  
 راہ طاعت نئی نکالی  
 سجدے میں جو حق کے سر جھکایا  
 ادیان ماسبق میں ہر چہند  
 لیکن اسلام نے بہ تجید  
 سجدے سے عبودیت کی ہے شان  
 سجدے سے ہے عز و شان طاعت  
 سجدہ ہے بنائے دین و ایمان  
 ساجد سب ہیں خدا ہے مسجود

کیوں کہ ہو بیان اس کی تشریف  
 تارِ فرشتاں سمجھیں جائیں  
 یہ نعمت نہ جسد کیر یا ہو  
 خلقت میں یہ اُن سے ہے کرم  
 تحتِ نرناں ہے لوح محفوظ  
 اللہ نے اس کو علم بخشا  
 اس پر ہوئے مشکف کما ہی  
 آوازِ صریح - حسنِ تقریر  
 یہ جو ہر امر کاف و نول ہے  
 طرح سجدہ اسی نے ڈالی  
 یہ مرتبہ عظیم پایا  
 سجدے کے نہ اہل دیں تھے پابند  
 سجدے کی نماز میں کی تاکید  
 سجدہ واجب ہے بہرِ رحمن  
 سجدہ ہے دراصل جان طاعت  
 سجدہ ہے فخر جن و انسان  
 ہم عبد ہیں اور رب ہے معبود

جو پیش خدا ہے سر فکستہ  
سجود سے ہے ہر بندہ ساجد  
سجدے ہے وجہ سرفرازی  
مسجد ہے نام جائے سجدہ  
سجدے سے ہے استفاق مسجد  
مسجد کی ہے ایسی شان و عزت  
معبد ٹھہرا مکان معبود  
اعلیٰ میں وہ مسجدوں میں اقسام  
کعبہ سے حجاز روکش طور  
بانی اک کے خلیل یزداں  
دونوں یہ پیبران برحق  
دونوں یہ معابد اعظم  
کفار کے قبضہ میں جو آئے  
بت خانہ بنایا بدعتیں کیں  
کفر و کساد بڑھ چکا جب  
چمکائے میں حق کا وہ نور  
مبعوث ہوئے رسول امجد  
مقبول اندھے وہ بندہ  
سجدے سے ہے سر بلند ساجد  
سجدے سے ہیں سرخرو و ثنائی  
جائے سجدہ برائے سجدہ  
سجدے سے ہے زیر طاق سجد  
کشا ہے گھرا پنا رب عزت  
سبحان اللہ شان معبود  
اقصی حرام جن کے ہیں نام  
بیت المقدس سے شام مشہور  
اور ایک کے حضرت سلیمان  
تھے راہ نمائے طاعت حق  
پیش خالق رہے مکرم  
کیا کیا نہ وہ اس میں رنگ لائے  
سمجھے باطل کو حق وہ بیدیں  
پھر جوش میں آئی رحمت رب  
جس سے ہوئی ظلمت جہاں دو  
سر کردہ انبیاء محمد

محبوب خدا بنی اکرم  
 فخر دو جہاں و شاہ کونین  
 مفہوم حدیث قدسی پاک  
 جس کے حق میں ہوا مسلم  
 تبلیغ امر دیں میں بہارت  
 لائے ایماں کچھ نکو کار  
 گو کلمہ حق ہی کہتے تھے آپ  
 آمادہ قتل جب ہوئے سب  
 مکہ چھوڑو - مدینہ جاؤ  
 تعمیل حکم رب اکبر  
 گو حب وطن نے پاؤں پکڑے  
 وشت غربت کی شب کو لی راہ  
 طیبہ میں جو آئے کر کے ہجرت  
 انصار نے فرش رہ کی آنکھیں  
 نقش قدم رسول والا  
 انداز خرام و سن رفتار  
 جس سمت گزرتے شاہ لولاک

محمد دم و امطار خلق و نظام  
 سیار مقام تمام قوسین  
 لولاک لما خلقت الافلاک  
 امر صلاوا علیہ وسلم  
 ایذا دیتے تھے شہ کو بد ذات  
 تھے دشمن جاں ہزاروں کفار  
 اس پر بھی جنائیں ستے تھے آپ  
 اُس دم ہوا حکم حضرت رب  
 لطف تائید حق اٹھاؤ  
 واجب سمجھے چلے پیہر  
 لیکن نہ رسول پاک ٹھہرے  
 پردہ سی بنے حضور ذی جاہ  
 نازل ہوئی گویا حق کی رحمت  
 بڑھ بڑھ سب نے بچھائیں آنکھیں  
 تھے نور میں مہر دمہ سے بالا  
 وہ تھا کہ تھے لوٹ کبک ہسار  
 باقی وہ زمین اوج افلاک

رکھتے تھے، حبیب میں جہاں پاؤں  
سایہ تیرا پاک کاکہل تھا  
آیاء نظر وہ سایہ پاک  
تھے ظل الہ آپ حضرت  
آخروہ ہمارے اوج و رفعت  
جس جاو ہفتہ آکے ٹھہرا  
وہ معبد اولین اسلام  
تقی پر اساس اس کی ڈالی  
وہ قبلہ و کعبہ معظم  
بنار بنا خود اس بنا کا  
جتنے تھے ہاجر اور انصار  
لاتے تھے چوب و گل اٹھا کر  
مسجد تیار ہو گئی جب  
سب سے پہلے نماز اسلام  
غائب تھا جو ذوق و شوق طاعت  
چندے گزرے بنجیر و خوبی  
تھا ایک ابو عامر خطا کار

طہا کرتا تھا جس جگہ چھانوں  
وہ پروہ لور میں نہاں تھا  
پر چند زمین آڑا پاکی خاک  
تھا سایہ سایہ عین وقت  
شاہنشاہ عالم نبوت  
چاہا بیت گھر ہاں خدا کا  
جس کا پہ مسجد ثبانا نام  
معمار تھا دو جہاں کا والی  
محبوب خدا رسول اکرم  
کیا خوب بنا گھر خدا کا  
تعمیر میں دل سے تھے مددگار  
مقصود کار تھے پیہر  
دلشاد ہوا وہ خاصہ رب  
پانی سپہ خوف اسی میں انجام  
ہوتی تھی نماز بالجماعت  
ٹکلی تھی پھر یہ راہ شر کی  
حسد کہیں شہر یہ مکار

مباح رسول تھا یہ ظنا میر  
 اس نے رہ شیع یہ نکالی  
 نقصان و کفر و تفرقت  
 چاہا کہ گھٹے قیاس کی عزت  
 افسوں نہ ہوا یہ کار گر کچھ  
 کیا چلتی منافقوں کی سازش  
 پھر یہ ہوئی مرفعی اتھی  
 تاکید تھی لا تقم فیہ  
 جبریل سے یہ پیام سن کر  
 بگڑی کو بنا سکے نہ حاسد  
 اس مسجد پاک کا ثنا خواں  
 ارشاد المسجد اُمس کا  
 من اول یوم اتق کا فرمان  
 تعمیل ان تقوم فیہ اب  
 اسلام نے پکڑی خوب قوت  
 بیت المقدس کے سمت لیکن  
 بعد از یک سال و نیم یکروز

تھا دل سے مزاق اور کم فر  
 تازہ مسجد کی ٹیوٹ ڈالی  
 اپنی لہجوں میں کر دے پیدا  
 اس کر سے ہو مغل طاعت  
 پہونچا نہ ضرار سے ضرر کچھ  
 اس پہ تھی خدا کی حب نوازش  
 ہو جلد ضرار کی تباہی  
 ابد سے ہمیشگی کی تنبیہ  
 چاہا حضرت نے دفع ہو شر  
 ڈھائی گئی وہ بنائے فاسد  
 اندھے خود میان تکران  
 ما قبل علی و لفظ تقویٰ  
 تھا واجب الاتباع اوعان  
 کرنے لگے طاہرین و طیب  
 روز افزوں دین کی تھی طاعت  
 کرتے تھے عبادت آپ پر دن  
 جو دن تھا یوم الجیت اندر

پڑھتے تھے، ان کے ہاتھ میں قرآن تھا۔  
 آدھریں میں تیار رہتے تھے، یہی تھی  
 ان کی اپنی دینی رپ بہ تعلیم  
 شیل فوگ و جھنڈ کی  
 تاخیر و درنگ تھی نہ بہتر  
 باقی جو رکعتیں رہی تھیں،  
 قول مسہماؤ تھا جو باطل  
 مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے  
 مسجد کا ہوا جو نیک انجام  
 کس طرح ہو وح اس کی تحریر  
 اس سے رسول کو محبت  
 خارج از شہر گو قبا ہے  
 ہر ہفتہ نماز پڑھتے آکر  
 کیسا اس وصف میں قبا ہے  
 وارد یہ حدیث میں ہوا ہے  
 دور کتیں اس میں پڑھتے آنا  
 بیشک ہے یہ اشرف المساجد

اصحاب پر پڑھتے تھے، نماز میں  
 دور رکعتیں روکتے تھے، یہی تھی  
 قبیلہ سوئے کعبہ کے وہ شہر  
 ازیں تھی لازمی و ثوری  
 آمادہ ہو گئے چمبہ  
 پھر کر سوئے کعبہ وہ ادا کیں  
 یہ کہہ کے کیا اٹھیں بھی قایل  
 جو حکم ہو اُس کا وہ بجائے  
 ٹھہراؤ قبلتین بھی نام  
 قاصر ہے صفت میں زور تقریر  
 اس درجہ تھا اس کا پاس عزت  
 ہاں فاصلہ ڈیڑھ کوس کا ہے  
 معمول رہا یہ زندگی بھر  
 دونوں قبلہ کی رہ نما ہے  
 ارشاد حبیب کبریا ہے  
 اک عمر کا ہے ثواب پانا  
 لاریب ہے افضل المساجد



تشریف اس کی شہسپہ زرتا      دریا کو تونہ میں سپہ پھرتا  
 قلم الفقراء نیک آئیں      مشہور ایک عہد اندین  
 مومن دیندار پارسا ہیں      صوفی کے مدیر با صفا ہیں  
 فراموشی ہے یہ نظم ان کی      تعمیل اسرا سس لئے کی  
 آذر دُن خاطر احبا  
 کفرست، ایں در طریقت ما

## شنوی ہدیت جوانی و حرمت پیری

### ارٹل کا نفرش الآباد

کالا ترا سنہ ہوا جوانی      داعی کی تو نے زندگانی  
 جب تک ترا زور تھا سیہ کار      کرتی رہی رات دن گنگار  
 بدکاریوں کا سبق پڑھایا      چسکائے ناب کا دلایا  
 دن بھر پھر داتی تھی سیہ ست      رکھتی تھی شب کو جاؤ دوست  
 رندوں کے جگمگے میں لائی      توڑا سب زور پارسانی  
 آسیب بلا بنی رہی ، تو      پیروں کے سایہ میں اڑی تو  
 جلوہ رخ خوب کا دکھا کر      دیوانہ پیروں کا بنا کر

گمراہی کا راستہ دکھایا  
 تھا صحبت بد میں کام تیرا  
 شیشے کی پری تھی تیری محبوب  
 مینا سے غرض تھی جام سے کام  
 گواہ ایک ہی شب کی میھاں تھی  
 تھی رہزن راہ دین دایاں  
 پٹی اس طسوج کی پڑھانی  
 رزق پہ پھوٹا نسا ز چھوٹی  
 کرم ز شراب تاب تو بہ  
 دیوانی ہے بس کہ نوجوانی  
 صد شکر کہ تو نے ساتھ چھوڑا  
 اب میں ہوں اور میری پیری  
 گزرے وہ سیاہ کاری کے دن  
 حاصل چوٹی بائے رو سفیدی  
 بہتر ہے شباب سے بڑھاپا  
 پیری کا یہ منعوت و ناتوانی  
 غفلت کے پردوں کو ہٹا کر  
 گلیوں میں رات بھر پھرا یا  
 رسوائیوں میں کتنا نام تیرا  
 طالب تو دشت رزقی مطلوب  
 میں تھک کر تھا اپنے کام سے کام  
 پھر بھی ٹھیکہ کو عذاب جاں تھی  
 تھا تیرا معین انکار شیطان  
 اللہ کی یاد نہ کر بھگت بلاؤں  
 توبہ بھی بار بار توئی  
 دوزخ کو نہ تیرا اب توبہ  
 قدر عصمت نہ اس سے حیاتی  
 بہتر ہوا مجھ سے سنہ جو موڑا  
 جو آئی ہے بہر دست گیری  
 آخر اس سے چڑھا ہوا جن  
 دھویا گیا داغ ناامیدی  
 مار گیا یہ فوج غم پہ بھاپا  
 افضل ہے ز قوت جوانی  
 دکھلائیگی تیک و خوب منظر

دنیا کی راہ راہی رہی  
 او میری یا تیرے پیر  
 شہنشاہ و مقرر تھا انہی سے  
 سرسبز تھو پہ یہ سو جوانی  
 کہ بے مثل شباب اس کے دنا ہے  
 و سنا کی تا عمر ساتھ میرا  
 بھی ہے پاکباز ہے تو  
 میری قسمت ہے محض معلوم  
 کھورتی ہے عیب و نقص غامی  
 کر دیتی ہے بڑھو کو خرد مند  
 ہو جاتے ہیں تجھ سے پیر دانا  
 دم تیرا بھروں نہ کیوں میں ہر دم  
 سب عمر کے مرحلے ہوئے طے  
 کٹ جائیگی راہ حب دل خواہ  
 یہ پیچہ جسم جو ہے در بند  
 تو قید حیات سے چھڑا کر  
 دیکھے گا گلشن جنناں پھر

یہ ٹیڑھ نہ سوا گئی گئی گئی  
 اچھی پیری عسری پیری  
 میں مانگ رہا تھا تجھ کو رب سے  
 قربان ہزار نوجوانی  
 عاجل ہے نہ تو گریز پاسے  
 چھوڑ گئی کبھی نہ ہاتھ میرا  
 اب مونس و نواز ہے تو  
 بچوں کی طرح ہے تو بھی معصوم  
 پختہ کاری میں تو ہے نامی  
 آویزہ گوش ہے تری پند  
 کر دیتی ہے ضعف میں توانا  
 تو ہی تو ہے اب رفیق و ہدم  
 اب منزل آخری تو ہی ہے  
 انشاء اللہ انشاء اللہ  
 ہے طائر روح جمیں پر بند  
 آزادی کے بختے گی اُسے پر  
 پائے گا اپنا آشیان پھر

مگر تو کی پتہ باز ہو، شیریں  
 جوتہ سے سرور کی آواز ہے میری  
 وہ سیر بہار جاو و آو  
 پانچ گشتا دیو و زنگار  
 حاصل ہوگی تری بدست  
 جوتہ پہ مٹے گی جو بہت است  
 اب میری یہ آخری دعا ہے  
 تجھ سے نام میری التماس ہے  
 پہونچا دے مجھ کو تاجہ بدن  
 اصلی تو وہی ہے میرا دشمن

چھوٹے تجھ سے نہ ساتھ میرا  
 کانور کفن ہو رنگ تیسرا

قصیدہ مسطور تہذیب و تہذیب  
 تہذیب و تہذیب تہذیب  
 ہر مقام پہی صنعت و شمع کا زہا نامی  
 اسم گرامی علی حضرت شہنشاہ معظم

معنون شدہ و این مصرع ذیل کہ جامی تیاری و سان جلوس ہم است

برمی آید نیز صنایع دیگر کہ بر خاطر اہل بصیرت مخفی ماند

”امیر آفت انڈیا جاج دی ففتہ تاجدار“

لا آئی نہی ہے ایکے بار گلشن ہند میں ہار  
 منت و شکر کردگار و روز باں ہے بار بار  
 پ پیتے ہیں پھول بادہ غوار مست طرب میں گسار  
 رخت زمردیں نگار پہنے ہیں دشت دکو ہمار

راز نمونہ ہے آنکار و یکھئے رنگ بہرہ زار

۱۔ ایسی بہار جانتا ہوں ایسی ہوئے دکنڈا  
 ۱۔ اسی سے زیادہ ہو گا کیا سوچی لطف کا مزا  
 فرحت و انبساط کا کیوں نہ ہوتا  
 ناز کی چال سے صبا چلتی ہے کیا بدوا  
 ڈٹے ڈالیاں گل کی واہ واہ ہوتی ہیں کسی بار بار

یہ یاس اسید ہو گئی۔ کھل گئی دل کی بھی گئی  
 آس بندھی بڑھی خوشی پوری ہو گئی  
 بیج جی کی دراداب بی شکریہ امر لازمی  
 ایسی خوشی کبھی نہ تھی عیسیٰ سہاکی خوری  
 ۱۔ روز کی بیکلی مٹی دامن گل سے نکلے خار

بیج جاکے مراولا۔ بادہ مشک بو پلا  
 دیر نہر شباب آ وقت کرم ہے ساقیا  
 یہ یوم سرور آگیا۔ کیسی فضا ہے جانفزا  
 فضل عیم کبریا بندوئے حال پر ہوا  
 فرحت و انبساط ناگتے ہیں گل اب ہزار

تخت و گیند تاج کا۔ مالک و وارث آگیا  
 ہند کا بخت جاگ اٹھا اوج حشم سوا ہوا  
 یہ تابور قمر نوا۔ سایہ فضل کبریا  
 آپ ہوا کرم نما۔ ہر مجبٹی پاؤشا  
 بیج جان جہاں جہاں کشا قیصر ہند نامدار

۲۔ داور نیک و داد گر۔ جم حشم و فریدیں فر  
 اوج فزل تاج سرزینت و زیب تخت زریا  
 یہ رمز شناس و کنتور۔ عالم علم و با ہنر  
 حرف شروع و صدر پر رکھ مع ابتدا نظر  
 سال و خطاب پر بے دلیل اس کے شمار

گوہر تجھ عطا۔ جوہر معدن سخا  
 بحر نوال و فیض کا در یتیم و بے بہا  
 مہر سپر اعتلا ماہ سمائے ارتقا  
 خاصہ لطف کبریا خلق میں نایب خدا

امپریں گونگ ہوئی، بانی کے شہر بانی  
 شہزادہ سناقتہ پہنچا، ہندوؤں کو گستاخ  
 فرخ سید، درہ پوری، فاضل شہنشاہ  
 شکر پور کی ہوئی، کوئی کوئی ہندو  
 آیا دہ روز فرخی جیسا تھا کیتا انتظار

امپریں اور امپریں، دونوں ہیں جلوہ گر  
 ایک ہے شمس اک، قمر ج شرف ہے تیز  
 کیوں نہواں ہند پر مہر و کرم کی یہ نظر  
 شہنشاہت، بادرو پید ہے برکت ہے بسر  
 رحمت حق ہے سر بسر حسن سلوک شہر بابر

دہلی میں کے تلج پوش جو ہوا شاہ حق پریش  
 حرمت سیتی کا جوش کتے ہیں اسکو اہل ہوش  
 حلقہ بندگی بگوش، بار عبودیت بدوش  
 راہ و فامیں نخت گوش کتے ہیں اسکو سرفروش  
 بے غم و فکر نامے و نوش جمع ہیں سب یہ جانثار

دوہے غم و غم، شگیا رنج تاب و تب  
 رشک گریٹ برٹن اب ہند بھی تو کیا عجب  
 دونوں جگہ ہے فضل بایک ہی ہے شہنشاہت  
 اہل فرنگ ہند سب صبح و ساد و شب  
 ہو کے قرن صد طرب کرتے ہیں شکر کر دگار

نظم شہیرا ہنر اس ہوئی ہے پرور  
 رحمت شاہ بحر و بر اس میں رقم ہے سر بسر  
 حاصل کاوش جگر ہے یہ دعالے محقر  
 امپریں اینڈ امپریں لولا لنگ فارادور  
 دونوں کا یہ شکوہ و فرح رکھے صدین تراز

قصیدہ یارِ محبتی سالِ اعلیٰ حضرت  
حضرت جابر پنجم خلد اللہ ملکہ

تو اس دہوش کیوں ساقی کے ہیں گم  
 کہو کچھ منہ سے بولے سر سے کھیلے  
 نہیں یہ بے رنجی رندوں سے ابھی  
 گھٹا کا کام لے زلف سید سے  
 بجھائے آج تو میخاروں کی پیاس  
 شراب فیض کی گنگا بہائے  
 یہی ہے اقتضا دریا دلی کا  
 بلاے جامِ راح روح پرور  
 لب ساغر مسیحائی دکھائے  
 بلا دے زاہدوں کو آتشِ تر  
 خوشی کا روز ہے غفار ہے رب  
 نہیں اندیشہ عقبے کا موقع  
 خیالِ روزِ فردا آج کیوں ہو

نہیں معلوم کیوں ہے آج گم صدم  
 خوشی چھوڑے ہے دقتِ متکلم  
 تغافل ہے ستم جائے ترحم  
 پسے چمکائے اب برقِ ممبسم  
 لبالب کرے سب پیمانہ و ختم  
 نظر آجائے میخانہ میں قلزم  
 کہ بجز جو دیں اب ہو تلاطم  
 کرے مردہ دلوں پر اب ترحم  
 صدائے قلقل مینا ہو قمِ قم  
 جلا دے آگ سے انبارِ مینم  
 خیالِ دُخون عصیاں آج سے گم  
 یہ قبل از وقت بے جا ہے تو ہم  
 کریں کا ہے کو فکرِ ما تقدم

سے آشنا نہیں کر جنت کی ہے لہذا  
سرور پند و کن کیستیتوں سے  
نظر شیشے میں ہے بنت العنب پر  
یہ اعلیٰ تر ہے حق کی نعمتوں میں  
نکالے جاتے جنت سے نہ آدم  
نہ اک قطرہ بھی دریا نوش چھوڑیں  
نہیں اندیشہ سیلاب بادہ  
سفینہ نوح کا ہے کشتی سے  
ہمارا رہنما پیر معناں ہے  
نہ مر کر بھی اٹھیں گے سیکڑے سے  
رفیق خرمی سے سب ہیں سرست  
فراہم سب ہیں اسباب تعیش  
بطے پیتی ہے خون کبوتر  
طیور باغ میں مصروف نغمہ  
نہو جب خطرہ صیاد و گلچیں  
بھی آزاد ہیں احبار گلشن  
ہر اک سونا چتے پھرتے ہیں طاؤس

اسی سے رہ سکتے ہیں ہمیشہ تر خم  
وہ واقعتاً پیرا غول پیرا ہوش آدم  
پرستی کو صاف ہوتا ہے تو ہم  
یہی ہے خلد میں وجہ تنعم  
اگر پیٹے اسے کھاتے نہ گندم  
شراب ناب اگر ہو مہفت تلزم  
ہواس و ہوش ہوں کس واسطے کم  
نہیں پروائے طوفان و تلاطم  
بھلا بہکائے تو غول تو ہم  
بنے گا گنبد مدفن یہی خم  
نہیں ہیں ہوش میں آج لینے موم  
مہیا سب ہیں سامان تنعم  
شراب سرخ سے لبریز ہیں خم  
عنادل سب ہیں سرگرم ترخم  
تو کیسی داد خواہی کیا قلم  
نہیں لچھ بھی اسیری کا تو ہم  
اٹھائے جوش مستی میں سرور



چلتے پڑتے ہیں سب کیسا تبسم  
 خرد و عشر خراخی کی بھی ہے گم  
 حساب نوش میں ہے بیش کز دم  
 ہیں نرمی میں سہر تار پریشم  
 چین میں کرتی ہیں کلیاں تبسم  
 ہر اک اقلیم کے ہیں جمع مردم  
 شب غم کٹ گئی ظلمت ہوئی گم  
 ہر اک پر خسروانہ ہے رحم  
 حواس پیر گردوں کر دئے گم  
 دم بولاں ادا سے ہے چور دم  
 پس جاتی ہے بجلی بھی تیر سُم  
 کہ بحر خرمی میں ہے تلاطم  
 لئے جاتے ہیں سب بہر تبسم  
 ہے مٹ فرش رہ دیا و قائم  
 سر گردوں سے ہے خوف تصادم  
 رگ جان اُن میں ہے تار پریشم  
 کہ نظارے سے جس کے قلم ہو گم

لگائے تھے ہیں کبک گھسار  
 تدر اس شان سے چلتے ہیں تن کر  
 بنی ہے کج ایذا آپ راحت  
 نہیں کانٹوں کی نوکوں میں غلش اب  
 ہمار تندہ گل دیدنی ہے  
 نئے سرے بسی ہے آج دلی  
 دکھایا ہوتے روز شادمانی  
 حضور امپرس اور امپرس کا  
 جلوں، موکب گیتی ستاں نے  
 سواری میں ہے رہوار صبادم  
 سمند پار کی شوثیوں سے  
 خوشی تاج پوشی کا ہے یہ زور  
 بہ خاک زیر پاے شہ کی ہے قدر  
 بڑھی ہے شان دربار معلا  
 گھس ادنچا ہے اتنا بارگہ کا  
 حمیر دپرنیاں کے ہیں جو پرے  
 ہے سامان بزم تاج پوشی

سر پر سلطنت پر تلیوہ گر ہیں  
 جمال شہادہ شاہ ہمشاہ با نوا  
 گلیم ہند شام بنداب سے  
 ترا مستقبل اچھا ہوگا لے ہند  
 خدا کے فضل سے پھر ہاتھ آئی  
 مبارک ہو یہ جشن تاج پوشی  
 نزول رحمت حق ہو داماد م  
 شہر ایچ لکھ پئے سال جلوسی  
 سمجھ لیں ساعت و تاریخ و مہ بھی  
 مدد و خیر اور درباری ہیں انجم  
 ہوا ہے نور بخش چشم مردم  
 عجب کیا پاسے رنگ صبح فاقم  
 یہ ہیں سامان حفظ مانت م  
 وہ دولت ہو گئی تھی پہلے جو کم  
 رہیں خوش راجہ پر جہ اور ہم تم  
 رہے افضال ایزد کا تراکم  
 جلوس اعلیٰ حضرت جارج پنجم  
 حروف سال کو گن لیں جو مردم

## در تقریب خیر مقدم حضور ہزار عالیجناب چیمسٹن گورنر

بہادر صوبہ متحدہ۔ بمقام جوئیورہ رفروری ۱۹۰۲ء

حضور ہزار آفتاب اوج کرم  
 مریو حاکم اعلائے یوپی اینڈ اودھ  
 جناب والا ستر چیمسٹن افسر ملک  
 نہ ہے نصیب کہ حاضر حضور میں ہو کر  
 نشان رحمت باری سبحان فیض اتم  
 ہمارے صوبہ کے فرماں روا میسادم  
 کہ لفظ گورنر لقب ہے جنکا علم  
 و رود خیر مقدم میں کہتے ہیں ویکرم

ہے یہ بھی بندہ نوازی حضور والا کی  
 حضور اس میں رعیت نوازی کی ہے شان  
 خدا کرے کہ نہ آثار فخط ہوں ظاہر  
 بہت حضور کی آمد سے شاد ہیں ہم لوگ  
 نہیں ہے وقت بھی حداد بھی مانع ہے  
 مگر یقین دلانا حضور کو ہے یہ فرض  
 یہاں ہمارے کلکٹر جو لے سی ڈاکر ہیں  
 دعائے دولت و اقبال نہر مجبٹھی میں  
 یہاں نزاع نہیں ہندو مسلمان میں  
 یہی وجہ کہ سب یکزباں یہ کہتے ہیں آج  
 یہاں جو لائے ہیں تشریف اب کجاہ چشم  
 مبارک آپ کا ہو جو پتھر میں مقدم  
 دونوں سے رفع گردانی جنس کا ہوا ہم  
 زرا بھی اس میں خوشامد نہیں ہا کی قسم  
 کہ بڑھنے پائے نہ کچھ شوخی بان ظلم  
 کمال امن ہے پہلوگ ہیں خوش و خورم  
 انھیں کے حسن حکومت سے مطمئن ہیں ہم  
 خلوص قلب سے معترف رہتے ہیں ہم  
 کسی طرح کی خصومت کوئی نہیں ہم  
 سرانگہوں پر ہیں ہمارے حضور کے قدم

ہمارے اوج سعادت بہرام ما افتاد

پچو ایں زماں گزرت بر مقام با افتاد

قصیدہ تحیہ تقریب خیر مقدم حضور دی آنزبیل می سی بلی

سینئر میئر بورڈ آن ریونیو ممالک متحدہ آگرہ واو دھم

بموقع افتتاح بلی ہسپتال مچلی شہر ۲۷ مارچ ۱۹۱۲ء

روز و شب گردش میں ہے گیند فیروزہ خام آسمان و چرخ گرداں بھی اسی سے اسکا نام

ایک ہی حالت سے ساری دنیا میں صبر و شرم  
 یہ کہیں دم پھر نہ کر کر نہیں سکتا مقام  
 ہے اس کے دور کی کیفیتیں میں در جام  
 ساغر سے نئے اسی سے پایا ہے ہنر نام  
 دونوں کی ترکیب ہیئت میں ہے کیا تشبیہ  
 کیوں فلک کی طرح میخانہ نہ ہو عالی مقام  
 دیکھتے ہیں آج آنکھوں سے جسے سب خاص عالم  
 جسکی رسم اقتحاجی کا یہ سب ہے اہتمام  
 آبرواری سے ملقب تھی جو ماہین انام  
 ٹھیک کہتے ہیں ثلث ناب کو دار و عوام  
 اور تاثیر دوا میں ہے شفا کا التزام  
 اتحاد معنوی سے ہے ہم کیا التیام  
 پر یہ بنیاد جدیدہ اسکی ہے قائم مقام  
 مل گیا خوبی قسمت سے عروج و احسان  
 وقت آجا تا ہے تو سب ٹھیک جتا ہے کام  
 اس بنائے خیر کو یارب ہمیشہ ہر قیام  
 اس عمارت کا ہے سبلی باسٹیل خوب نام

ایک صورت سے بچ کر تا ہے آٹھ ٹھوں بھر  
 گھومتی قسمتیں سبکی ہے ازل سے تا ابد  
 انھیں بے ہر پر چکر کا اس کے نام ہے  
 بادۂ خالص کو کہتے ہیں جمعی تو آفتاب  
 خم کی صورت دیکھ لو ہے وضع میں اے فلک  
 ہاں زمین میکہ ہے ہمسرہ رخ بریں  
 اپنا اس عوی کی کٹھا ہوں میری روشن دلیل  
 یہ شفا خانہ ہوا ہے جو نیا تعمیر سب  
 قبل ازیں تھی خاص اس جا پر بنائے میکہ  
 اس سے اک اور نکتہ باریک کا عقد کھلا  
 کیونکہ جو معنی دوا کے ہیں ہی دارو کے ہیں  
 جائے میخانہ شفا خانہ مرے کی بابت  
 گو خرابی سے سب آثار قدیمہ مٹ گئی  
 اوج پر اس قطعہ ارضی کی جو تقدیر تھی  
 بگڑے بن جاتے ہیں جب اللہ کا ہوتا ہے فضل  
 میکہ جب تھا جہاں ایسے وہاں دار الشفا  
 اللہ اللہ دیکھئے تو شان ہی کچھ اور ہے

اس جلیل القدر کے لیے ہم سے موصوم ہے جس کا تعلق دو سر ہو گا نہ بیشک نا کلام  
واہ کیا نام مبارک ہے کہ جس کے لیے ہی ہوتے ہیں کام و زبان و لب مزے سے شاکلہ  
مطلع

عادل و فیاض و خوش خلق و جو ادنیٰ نام  
بورڈ آف ریونیو کے اس سینئر ممبر آپ  
ہے یہ یو پی اینڈ او دھکے خوش نصیب کی دلیل  
بیٹھے ہیں سکے دلوں پر آپ کے اخلاق کے  
خلق کی تاثیر سے ہیں بندہ بے دام سب  
اس عنایت کا ادا ہو کر یہ کیا ہے حضور  
آکھیں اک مدت سے ہمارے گویا فرشتے تھیں  
للہ الحمد آج برائی تمناؤں دلی،  
کیا ہوا تاخیر اس تعمیر میں گو کچھ ہوئی  
پہلے آئیں دختر تیک اختر عالی حضور  
اس سے بڑھ کر یاد گاری فخر کی کیا ہوگی اور  
کیوں نہ مومن جان دل سے ہم لوگ کئے بھی  
رسم فونڈیشن وہ تھی جو ہو چکی پہلے ادا  
ابتدا جس کام کی دختر کے ہاتھوں ہوئی

انریبل ڈی سی بیلی صاحبہ اعلیٰ مقام  
ملک میں تاخیرات مالی کا ہوا اعلیٰ نظام  
جس نے پایا اس طرح کا حاکم ذی احترام  
آپ کے اشتیاق کے مداح ہیں بخاص و عام  
لطف سے تسخیر کے سبکے دل وحشی ہیں ام  
جو قدم رنجہ ریاں فرمایا با صد احترام  
مقدم والا کی خاطر تھیں دعائیں صبح و شام  
آرزو پوری ہوئی۔ ہے شکر حق کا یہ مقام  
دیر ہونے سے درستی میں لٹھیک کام  
سنگ بنیاد اس کا رکھا آپ با صد احتشام  
باپ کی قائم مقامی میں کیا بیٹی نے کام  
اصل بناؤں میں وہ ہیں۔ ہے مقدم اکانام  
اوپننگ سری منی کا آج یہ ہے ہاتھام  
حسن و خوبی سے کیا اب باپ نے اسکو تمام

یہ کچھ مزاحیہ ایسے آئے کہ جسکی وجہ سے  
 بہت ہنس رہے تھے اس سے سیر اندیشہ  
 ہوئی اس آئینہ حسن اوریں گیا پرتا بگڑھ  
 کیلئے کے تحصیلدار ذوی شرف ایم ایم شیخ  
 کالا کاکڑ اور بھدری سے ملی ابھی مدد  
 لئے سی واکر اسکے بر جواب لکھ رہی ہیں  
 کی اعانت ایسی ہم لوگوں کی کافی طور پر  
 ہیں یہاں سید محمد اظہار تحصیلدار  
 رئیس موعودہ مقامی چندہ کی باقی جو تھیں  
 اب دئے مختصر پر ختم کرتا ہوں سخن  
 شاعران ہند میں مشہور ہوں گو میں شہیر  
 لئے خدا جیتک ہے یہ دورہ شمس و قمر  
 ساعت و اوقات تا ایام میں محسوس  
 نام نامی ملی صاحب کی ٹھیں روشن ہے

ہو سکا یہ زمانہ اس نمبر کا کام انصرام  
 سمجھے ترکی پہنچی اس زمانہ کی سی تمام  
 کیوں وکیل چندہ کی تدبیریں ہستی تمام  
 ہوئے ہم لوگوں کے حامی بن آیا جس کام  
 لئے صاحب اور راجہ نے کیا خوب پائنام  
 جن کے لطف خاص کے ممنون ہیں خاص علم  
 جن کے حسن نظم سے اس جلسے نے پایا نظام  
 جن کی تھوڑی سی توجہ بھی بہت ہی کام  
 ہو گئی انکی دھولی غالباً سب دام دام  
 تانہ بار سح اقدس ہو کیس طول کلام  
 لیکن اصلی ہے مر اسید محمد نوح نام  
 تاکو اکب کا رہے بزم سماں اژدہام  
 روز و شب کا تازمانہ میں ہے باقی نظام  
 آپ کا جاری ہے دنیا میں ہر مرفیض علم

ہنر مجسٹی جاج پنجم قیصر ہندوستان

خل گستر باد برفرق رعایا بالردام

لے خاتما صاحب مولوی سید محمد حسن صاحب رئیس واسپش مجسٹریٹ پھل شہر

## در تہیت عروسی مسٹر مونس صاحب کلکٹر جو پورہ لاہور نومبر ۱۹۰۷ء

اللہ اللہ کیا بہار جا نفر ہے اندنوں  
 رنگ گلزار جہاں ہے کج محل کھل ہوا  
 کھل کھلا پڑتی ہیں کلیاں چھوڑتی ہے حبیبیم  
 بندھ رہی ہے خوش مزاجی کی ہوا گلزار میں  
 دخل کیسا ذکر بھی اندر دگی کا اب نہیں  
 گلستان ہند میں تازہ بہار آئی ہے اب  
 طغ صلت اب اٹھتے ہیں گل و بلبل بہم  
 زمزمہ سنج مسرت طائران باغ میں  
 قیصر ہند و ستار کے آمد آمد کی ہے دھوم  
 پیار و انگ بند میں شور طرب ہے ہر طرف  
 عام اب جنس طرب ہے کوچہ و بازار میں  
 خوش، عیا و برایا حاکم و محکوم ہیں  
 ق نے غنچی اس خوشی میں اور یہ تازہ خوشی  
 مدتش میں ہوئے نوشہ جناب لے سہی ہنس

روح یہ رو کیا ہوئے دلکش ہے اندنوں  
 خوب نخل آرزو پھیلا پھیلا ہے اندنوں  
 خود ہوئے شوق میں باد صبا ہے اندنوں  
 واشد دل سے ہر اک گل منس با ہے اندنوں  
 غنچہ خاطر شگفتہ ہو رہا ہے اندنوں  
 سبزہ پامال خزاں ہو کر ہل رہا ہے اندنوں  
 خار خار ہجر سیٹوں سے جدا ہے اندنوں  
 بیل شوریدہ سر نغمہ سرا ہے اندنوں  
 سب دلوں سے خرمی سب کو ہے اندنوں  
 رنج مسکوں میں ہر اک سو غفلا ہے اندنوں  
 نقد عیش بے بہا بھی کم بہا ہے اندنوں  
 حال پر بندوں کے اب فضل خدایے اندنوں  
 یعنی حاکم ضلع کا دو لکھا بنا ہے اندنوں  
 لطف و عیش و شادمانی کا فر ہے اندنوں

شکر ہے اب ہو گئی پوری تنہائے دلی ہم نعل ہر دم عروسِ عجب ہے اندول  
 اس عروسی کی خوشی میں ہے یہ جرمِ تہنیتِ نعل سبار کیا دکھا کر سوچا ہے اندول  
 تیرا زار ہے ہر زبانِ جوشِ بے تبرکیت نعل لب کا خوب طوطی بولتا ہے اندول  
 سسر ہوس مسر ہوس ہے خدا زادِ برگاہ خوش رہیں بچوں بس یہ دعا ہے اندول

کامیابی کا ہمیشہ ان کے سر پہ رہا ہے  
 اے شہیرا دستِ یہ التجا ہے اندول

## قطعہ تارِ مخ

قطعہ تاریخ ارتحالِ کمال میر علی ضامن صدام حرمِ ناب تحصیل درسانِ یانہ چلی شہر

سید خوش اعتقاد و پاک دل آں علی ضامن لائق و نوجوان  
 فردِ طاعون در عینِ شباب پاک مد پاکِ فت از این جہاں  
 من نوشتم بر سر قبرش شہیرا راہِ عقبی یافتہ با عز و شان ۱۳۶۱ھ

تاریخ وفاتِ طفیل بی بی مادر علی محمد محلہ خانزادہ

ام شیخ علی محمد نے باغِ فردوس میں جگہ پائی  
 بیخِ شنبہ کا روز تھا وہ آہ اور ماتم مہ صیام کی تھی



تعداد چو طاعون کا مرض نہاںک جس نے قسمت نہ جانور کی تھی  
ہے یہ لوح مزار کی تاریخ قبر پاکیزہ بی بی فاضلہ کی ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ تعمیر عابد منزل واقع امین آباد کھنڈو حسب انشاء عابد علیہا نصیب منزل

ملحق مسجد پیر پاکیزہ عمارت بن گئی شکریہ پورا حوصلہ عابد علیہا کا ہوا  
پاس مسجد کے جو یہ ایوان عانی شان کا اس عابد منزل اسکا نام اور اچھا ہوا

مضوی و صورتی ہے تاریخ تعمیر لے شہیر  
تیرہ سو بیس اب سال بنا زیا ہوا ۱۳۳۲ھ

تاریخ لوح مزار برادر معذور سید حسین مرحوم تحصیلدار

ابن عم ام سہمی غاس آل عبا شیعہ پاک اعتقاد و سید والا نژاد  
عازم فردوس چوں شد زین جہان بقا گشت داخل در جوار رحمت رب العباد

بہر سال لوح مرقد زور قم کلک شہیر  
ترتیب آل نبی سید حسین پاک زاد ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ انطباع دیوان تاریخ تصنیف حافظ جلیل حسن جلیل حاشین امیر نیائی

نوش اللہ ہو گئی شائع وہ نظم لا جواب دل فری میں ہے جو مجنونہ رنگیں ادا

کیا بھی ہے زیور الفاظ سے مثل غریب  
 حسن معنی کو سواد خط چھپا سکتا نہیں  
 یہ سیاہ اسکو اگر دیکھے تو ہو روشن سواد  
 اس پر یزاد سخن کو جس نے دیکھا کہ نظر  
 اسکے نظائے سے رہ سکتے نہیں قابو میں  
 دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں بیباختہ اہل نظر  
 ہے وزیر بادشاہ شاعران کا یہ کلام  
 یعنی یہ دیوان ہے نصیحت سیاح و میل  
 ماہر فن باریاب حضرت شاہ دکن  
 تھے شہنشاہ سخن حضرت امیر لکھنوی  
 فیض فن آموزی مرحوم کا یہ ہے اثر  
 یہ جلیل القدر شاگردوں میں بھی ممتاز تھے  
 عزت قائم مقامی امیر ان کو ملی  
 اللہ کیسی پائی ہے طبیعت ثور کی  
 جن غزل کو دیکھے ہے صاف انداز امیر  
 مثل جواستاد کا ہو وہ ہے شاگرد رشید  
 ببل ہندوستان تو ہو گیا سدہ نشیں

کا غلامی نہیں ہے کیا واپس سے سوا  
 امیر ترخہ رشید تارین کی تیسر جھپتی ضیا  
 روشنی طبع کے ظاہر ہیں جو ہر پر ہوا  
 بکھیر میں آئینہ الفت کے وہ دیوانہ ہوا  
 تاب اسکے جلوے کے لائیں ہم اس ہوش کیا  
 بارک اللہ بارک اللہ مرزا صد مرزا  
 کہتے ہیں تراج سخن اہل سخن اسکو کیا  
 اپنے خواجہ تاشوں میں کبھی ہوئے امیر ہوا  
 حافظ قرآن و دیندار و جوان و پارسا  
 جن کا غل عافیت تھا سایہ بال ہوا  
 شاعر اعلیٰ ہر اک شاگرد ادنیٰ ہو گیا  
 عالی پرانے عنایت رہتی تھی سب سے ہوا  
 جانشینی کا شرف بھی پا گئے نام خدا  
 کیا زبان صاف ہے کیا شوخی طبع رسا  
 شیشہ ہر شعر میں ہے رنگ مینائی بھرا  
 یہ صفت جس میں ہو وہ ہے لائق مع و ثنا  
 اب دکن میں ہر طرف ان کا ہے طوطی بولتا

مہر عمار اجمین السلطنہ ہیں اس سے شاد  
شاہ آصف خوش ہیں راضی ہیں تیرے بادشاہ  
کیوں نہ اب بخت رسا پر اپنے انکوناز ہو  
شاعر دربار سلطانی کا منصب پالیا  
مصرع تاریخ سال طبع اب کہئے شیر  
چھپ گیا دیوان استاد سخن کاواہ وا

### تاریخ دیوان نواب زمان بہادر میر مرہوم علی بہادر خلدی مکن

ظلمت اخفا سے نکلا آفتاب شاعری  
مطلع مطلع سے جلوہ گر ہوا مہر منیر  
ہر طرف نور مضامین کی جو پھیلی روشنی  
آنکھیں مٹے اٹھے شوق دیدن کی ناوسیر  
جاگ اٹھی تقدیر شتاووں کی چونکے خواب سے  
یکزباں کرنے لگے سب شکر احسان قدیر  
شپرہ چشموں کی آنکھیں اس سے خیر ہو گئیں  
صورت خفاش حسد ہو گئے سب گوشہ گیر  
چشم بد دور اج پر مہر سببن نظم ہے  
رشتہ کرتا ہے زمین شعر پر حیرت شیر  
کیوں اعلیٰ العروج و پایہ ہو سخن کا اس طرح  
بول بالا اس کا رہتا ہے جو ہر روشن ضمیر  
اسکی یہ تصنیف عالی ہے جو ہے عالی وقار  
ہے امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر  
ماہ کتمان فصاحت یوسف مصر سخن  
شاعر شیوہ زبان و ناظم عذیب الیاس  
گور تاج بااخت زریب اوزنگ سر یہ  
جد امجد آپ کے باندے میں تھے فرماں روا  
یعنی نواب زمان رشک نظیری و ظہیر  
یہ شرف مجھ کو پہنچے ہیں انکا خواہ تاشاں ہوں  
تھاعلیٰ اُن کا تخلص تھے وہ تلمیذ منیر  
ہوں منیر خوش بیاں میں بھی شاگردے شیر

لکھے سنہ ہیسوی اس کا سال زلفیاری  
چھپ گیا دیوان والا یہ مثال منیر سداۃ

## تاریخ طبع دیوان سقینہ نوح مصنف محمد نوح صاحب نوح ہونہ

خلیل کعبہ نظم و کلیم طور سخن      مسلی آدم ثانی مسیح راحت نوح  
کلام خویش مدیں بنود و شایع کرد      چساں نہ میس بسا نہیں شد و ملاح  
ہمہ محاسن شعری بہ میں نہیں دیواں      کہ هست نام خدا پاک از مہربان قیصر  
سخنواران جہاں ترزاں بہ مداش      ز حسن بندش مضمون کشود باب فقیر  
شہیر گفت دعائیہ سال طبع لطیف

روای یہ جو شہادت بود سقینہ نوح

## دیگر

اں شہیر عالم شہرت کہ ہنام من است      یعنی نوح ناری شہیر بن بان خوشنایلی  
از تلامینہ نصیح الملک داغ دہلوی      خاص شاگرد رشید تامل ہندوستان

مصرع تاریخ در سال سبھی گو شہیر

زیب تاریخ طبع شد دیوان نوح خوشنایلی

تاریخ واقعہ ارتحال محمد باقر مرحوم

مل گیا خاک میں ہے پئے جوں      آب زمزم سے ہوا جو طاپر

سب سے بد تھا عمل خیر میں جو  
 جب کی ہمت نہ کبھی تھی تو انصر  
 اب وہ زینت آفرینش لحد  
 سب تھے پھر جس سے مروی لحد  
 شاہد مرگ کا دل دادہ تھا  
 کھل گیا جان کے دینے سے یہ سر  
 پوچھا نہ اس نے یہ ہے کون جواں  
 مجھ پہ سمجھے حال کر اس کا ظاہر  
 حاجی شیخ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ  
 داندہی سے یہ اہل بولی شہیر

### قصہ تاریخ تعمیر المآل خانہ محمد زکریا ماہر مچھلی شہری

نیچے دکان اوپر ہے مکان کیا اچھا کاشانہ ہے  
 گھر ہے نفع و راحت کا عیش ہاں عیانہ ہے  
 زکریا و زینت کا لے واعظ افسانہ ہے  
 جسکو حشت ہوا سہیں سمجھو وہ دیوانہ ہے  
 سال بنا کے یہ شہیر خوب یہ المآل خانہ ہے ۱۳۳۸ھ

قطع تاریخ ارتحال واقعہ پر از طلال ۱۳۳۸ھ انتقال برادر عزیز مرحوم سید عبد اللہ

آہ از مرگ اخوی کو چک  
 قلب زار من حقیر شکست  
 سال اس واقعہ جو پر سیدم  
 گفت ہا تف دل شہیر شکست ۱۳۳۹ھ

قطعہ در مادہ ارتحال سید شکوت علی مرحوم خواہر زادہ مصنف

در یغا سید شکوت علی مرد  
 فزوں یک سال عمرش بزدنچاہ

جمادی الاولیٰ نو تو اشد  
تقریر تاریخ در شنیدہ سحر نگاہ  
ازیں مہماں سر اسے چند روز  
بہ کیم چارویں یافتہ راہ  
عزیزاں در غمش سیدہ نگارند  
شہیراں واقعہ تحت بہت در جانگاہ  
چہ گویم من حزن از بہر سالس  
بہ مرد افسوس تو بہر راہ ام آہ شہ ۳۲

## قطعہ تاریخ ارتحال شیخ ولایت علی مرحوم

شیخ ولایت علی مرحوم آہ  
شہر میں جنکاز تھا کوئی جواب  
عازم جنت ہوئے میرے گھر سے وہ  
رور ہے میں انکو بھی شیخ و شباب  
پاک گناہوں سے ہمیشہ ہے  
صاف رہا انکا حساب و کتاب  
نوب شہیراں کا یہ ہے سال فوت  
داخل فردوس ہیں بے حساب شہ ۳۲

دیگر

حیف آں شیخ ولایت علی عالی جاہ  
خاصہ حضرت رب بندہ مقبول الہ  
اشرف و امجد و دیندار و سخی و باذل  
صاحب فضل و کرم نیک دل و حق آگاہ  
ہنرش شغل و کالت علمش نیک عمل  
سعی می کرد شب و روز پے تیر و رفاہ  
چوں بہ میزانِ عمل نیک دہش سنجیدند  
پلہ رفت بہ بالا کہ براں بود گناہ  
سر بر آوردہ و ذی قدر و رئیس نامی  
بہ گروہ و کلاہ چوں بہ نجوم اندر ماہ  
بارک اللہ و ضحاک اللہ و ماشاء اللہ  
ہر کہ تقریر فیضش بہ شنیدے گفتے

زانسان مهر سپهر شرف و اوج جلال ،  
 بهستم و به مقام سه ذی الحجّه و سه شنبه بود  
 قسم تا اسکندر که در پند به ششم نام است  
 به پیشرو سوسانداخته چو شیطان آن دم  
 آه تا خانه زویوان عدالت رسید  
 تا به زین صدمه افتاد نه آورد مرغ  
 بود یک عشره چو در عمر عزیزش باقی  
 شده و لا دلت به هزار دو صد و شصت و چهار  
 چو به پهلان نوزدهاں وقت و همان ماه آمد  
 که آنوقت رسانید چو پیغام وصال  
 پاک آمد به یمن و ز جهاں پاک برفت  
 شمره یغمر دوس بریل و غزیراں به عیش  
 وطن کردند نه خاک بچشم گریاں

رفت وزیر زمین چو به کنگان برپا  
 که ز کانسکه رو باز در افتاد برآه  
 می نمایند بران سیر امر آگاه بگاه  
 گفت لاجل و لا قوه الا بالله  
 که شد این حادثه پنج فراد جانگاه  
 کرد آس چشمن و رخ و سر در سفاه  
 محله داور مگر گفت اهل نیست پناه  
 یوم آدینه شبانگه یکم اول ماه  
 از کین مرگ مفاجات برآمد ناگاه  
 نخل بعد شوق به او گفت که بان بسم الله  
 کلمه حق بزبان بود که اتا الله  
 چاک کردند گریان و همه جامه سیاه  
 آمد آن وقت که گفتند همه طاب شرآه

روز و پنجگام و سه و سال رقم کرد شهر  
 به مقام غزا جزو شب شنبه آه

## دیوان طبع دیوان اشعار شمس الدین محمد میرزا شہیر

بے نش و لا جواب کلام صغیر ہے اپنی نظیر آپ جو ہوا اسکا کیا جواب  
حسن اشاعت اور بڑھا نطف طبع سے ہر صفحہ ہو گیا رخ محبوب کا جواب  
نکلا یہ سال طبع دل سال سے شہیر  
دیوان بے نظیر ہے چھا پا ہے لا جواب ۱۹۱۱ء

## قطعات تاریخ وفات مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی مرحوم خلد آشتیاں

ازیں سرے جہانے بسوئے دار بقا شناخت ہم فن وہم عصر من بوقت پگاہ  
گزیدہ شاعر ذی علم صاحب دیواں محقق ہمہ داں و مدفق آگاہ  
تمودہ کسب فن شعرا ز جناب قلق ضیاء نور بے ز آفتاب گیر دماہ  
وجہ پاک تہاد و جمیل خوشنوشاک بہ عمر شیب جواں می نمود آں باللہ  
زعلمان فرنگی محل جد و پدرش یہ لکھنؤ ہمہ ممتاز و ذی شرف باچاہ  
بہ اسم مولوی عبدالاحد شہیر جہاں تخلص اش بیدہ شمشاد النسب دہنخواہ

نوشت سال سیمی شہیر بالتقریر

بہ پنج شنبہ ذیقعدہ بیست و پنجم ماہ ۱۹۱۱ء



دیگر  
 باغ انوار مدفن شمشاد نیست نزدیک من بخت کم  
 ستر عیسوی است در منقوط جاس شمشاد شد به باغ ارم ۱۹۱۶ء

ایضاً در ہجری

مولوی عید الاحد شمشاد ہوں نہ جتناں روز و شب ان پر نزل رحمت غفار ہو  
 باغ اتوار ان کے مدفن کی جگہ بھی ہے بجا ملک میں دادا کے پوتا کیوں شہسوار ہو

یہ یہ تاریخ دعائیہ ہے لوج مزار

مرقد شمشاد طیب مہبط انوار ہو ۱۳۳۵ھ

دیگر

مہ ذیقعد کی تھی وہ بچپس پنجشنبہ کا دن تھا غم افزا  
 ہوئے شمشاد زیب باغ نعیم نے سکی کچھ نہ مہلت اُنکو قضا  
 لکھے لوج مزار پر یہ شہیر قبر شمشاد افصح الفصحا ۱۳۳۵ھ

در تعمیر کمرہ مختصر خود

کمرہ یہ مختصر سا چھت پر بنوایا شہیر میں نے اچھا  
 تاریخ بھی فی البدیہہ کدی بالا خانہ ہے خوب اپنا

۱۳۳۳ھ

## تاریخ طبع دیوان الصغیر حسین صغیر

دیوان صغیر نکتہ دان است      مطبوع طبع چر جو اسنے  
سال پچیس شہیر گفتم      دیوان صغیر نکتہ دانے  
تاریخ طبع مسدس جنگی کریا و حالات اراکس بہر شمس

طبع شہر اتر مسدس جنگی      از جناب حمید نیک شیم  
از کریا نکتہ پیر بیتے      کردہ ہر شعر خویش با او ضم  
گفت حالات جنگ با تفصیل      دزد غا بازی اطالی ہم  
عرصہ کارزار شد صفحہ      نقشہ حرب گشت زیب رقم  
خوامت ازین شہیر چوں سانش  
تیکناز طرہ ابلس گفتم

قطعیہ تاریخ و فائز شمس علی خان صاحب کتب  
حسب کتب و تراش تراش علی خان صاحب کتب  
درینا دیوان شمس علی خان رفت از دنیا      غویب انوس مہر زندگی اش گشت خود مدون  
نہم تاریخ از سوال بود و زودوشنہ      دل تحصیلدار شرف علیخان شد زغم پر خون  
شہیر این سال میلادی نوٹم بہر شمس

جوان بد شانزدہ سالہ بمر و افسوس طاعون  
۱۳۲۲ھ

قطعہ تاریخ سال ورود ہزار مروج اہم اقبالہ عشت اجلالہ

ہزار جو تشریف لائے یہاں ہوئی سب کو حاصل نہایت خوشی  
ہولے شگفتہ مزاجی چسلی ہوا ہو گئی ساری افسردگی  
بنا آج رشک جون پلور کلی دلی ہر ایک کے کھل گئی  
بشاشت سے خاطر ہے باغ و بہار چلی آتی ہے ہونٹوں پر خود بینی  
اسی رنگ کا مختصر مادہ

مئے سال ہے غنچہ خور می ۱۳۵۱ھ

تاریخ جلوس حضور قیصر ہند جلیج پنجم شہنشاہ ہندوستان

و شاہ انگلینڈ خلد امہ ملکہ

جلیج پنجم قیصر ہندوستان شیریں زباں  
ساتھ لیکر بادشاہ بیگم کو انگلستان سے  
شہر دہلی کی بڑھی ہے رونق افزائی سے زیب  
ہند بھریاں خوشی کی مچھری ہے دھوم مہام  
رج سے جسکی حلاوت باب ہیں کام و زباں  
ازرہ شفقت ہوا ہے وارد ہندوستان  
کار فینشن یعنی رسم تاج پوشی ہے یہاں  
اک سرے سے شاد ہیں سب کو دیکھیں یہاں

بصرہ آؤئی ہے ہر سال کافی اے شہر  
جلالہ پنج قیصر ہندوستان شیریں نیاں  
دیگر

دہلی میں شاہ خوش مزاج ہو گیا تاج پوشا آج  
سال جلوس لکھ شہید مالک تخت وادج تاج  
دیگر

ترت نور آگیا۔ حافظ و بایاں سید احمد حسن۔ متوطن جائے زیارت بھلی شہر  
۱۳۳۹ھ ۱۳۳۹ھ ۱۳۳۹ھ

از ایچاؤ فکر دیگر سید محمد نوح شہیر  
۱۳۳۹ھ

یار جانی دوستی جسکی تھی روح روح نوح جسکو میرے ساتھ تھی ہی محبت ہائے ہائے  
حافظ قرآن بایاں و مدوح جہاں خلق میں اخلاق کی جسکے تھی شہرت ہائے ہائے  
بیاری بیٹی پانچ دن پہلے سدھاری غلہ کو ہو گئے رات آپ بھی اپنی جنت ہائے ہائے  
صدہ جانگاہ مرگ دختر ایسا تھا عظیم ایک ہفتہ بھی اہل نے دی شہمت ہائے ہائے  
پنج شنبہ پنج شعبان ہے یوم دفن آج کیوں ہنوں آنکھوں سجاری شکرت ہائے ہائے  
ہر سال نقش روح قیصر کہہ دے شہیر سید احمد حسن کی ہے یہ تربت ہائے ہائے  
۱۳۳۹ھ

قطعات تاریخ در تولد و تشریف آفرینی سید محمد علی خاں خورشید  
 پیارے بیٹے آپ کے ہیں سید ابوبکر شہر  
 دی انھیں شائق نے دفتر شکر بے چوں کیجئے  
 شادی مولود کو اب دل سے مقول کیجئے  
 رنج ماضی کو بدلے خورمی حال سے  
 بہر مستقبل دعاے خیر مکنوں کیجئے

سال ہجری چاہئے لکھنا جو صورتی معنوی  
 تیرہ سو پراور چوالیس افروز کیجئے سن ۱۲۴۷ھ

دیگر

بچہ اللہ مراد ہشت سالہ میری برائی  
 ربیع الثانی - اسلامی مہینہ - روز شنبہ تھا  
 سن ہجری تھا تیرہ سو و نیا سیر تھے چوالیس  
 زمین و آسمان پر خالق اکبر کی تھی تقدیس  
 نمازی مسجدوں میں طاعت معبود کرتے تھے  
 فلک پر درس آموز ملک تھے حضرت ادریس  
 اسی وقت سعید و نیک میں پیدا ہوئی لگی  
 اسیر بہ لعلت قیدی غم جبکہ تھا ابلیس  
 شہیر اس شادی میلاد میں اب معنوی صہوی  
 کہو وہ سال میلادی ہو جس نظم کی تائیس

نکلی بر طرف آغاز محنت کی ضرورت کیا

نمبر چودھویں تاریخ سن انیس سو پچیس

۱۹۲۵ء

برائے لوح مرزا سید اقبال علی بی بی علی بی بی و کمین علی بی بی

سید ابوب علی مرحوم تحصیلدار خواہر زاوہ ام

اس جوان نیک کا مرقد یہ ہے      دل ساقی جو پیر و آل بنی  
کھینچ لائی موت مچھلی شہر سے      دہل سرطاں نے آخر جان لی  
اس آئی کچھ نہ تدبیر علاج      خاک میں امید صحت مل گئی  
بچ شنبہ سید شوہن بنی بچہ کو آ      ہو گیا سب ختم لطف زندگی

از سراندوہ ہے یہ سال خوب

زیب تربت سید اقبال علی

۱۳۴۰ھ

تم مشاہد



# قطعات تاریخ الطیبائع دیوان

نوٹ:- ضخامت کے لحاظ سے صرف دو رواشعار ہر تاریخ کے درج کئے گئے ہیں۔

قطعہ تاریخ اشاعت دیوان از ناظر اکسین حضرت نوح ناروی عالیہین حضرت قانع

کیا جناب شہیر کی ہو صفت خاص تلمیذ و یادگار ستیر

سال اتمام چاہئے اے نوح لکھ۔ سخن چینی جناب شہیر

من تصنیف شاعر باکمال مولوی متین الدین احمد صائیتین مہلی شہری یادگار داغ

یہ جناب شہیر کا دیواں دولت لازوال ہے لاریب

کیوں نہ تاریخ طبع ہو میتین گو ہر بے بہا۔ خزینہ غیب

من تصنیف پندت جگہوں ناتھ رینہ صاحب شوق ڈوٹی کلکٹر تلمیذ جناب شہیر مرحوم

روح عروض و ماہر فن۔ صاحب کمال تھے تاجدار ملک سخن حضرت شہیر

اے شوق لکھ دو مہر عہ تاریخ بے درنگ کیا خوب واہ چھپ گیا دیوان شہیر

از احمد مختار صاحب بدر مچھلی شہری مختار عدالت نوریا گریڈ پور

لو حضرت شہیر کا دیوان چھپ گیا اب کیوں نہ دل لگتا ہو پھر خاموشی کا  
اے بدر لکھدو مصرع تاریخ سال طبع دیوان ہے یہ شمار شہیریں کلام کا  
۱۳۵۴ھ

از سید محمد ظفر مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر مرحوم

ہے یہ دیوان شہیر باکمال دیدہ زیب و دلپسند و بینظیر  
نکر سال طبع کی گر ہے ظفر کمدو۔ یہ ہے گلشن نظم شہیر  
۱۳۵۴ھ

من تصنیف دیوان پنڈت راجہ ناتھ کول صاحب گلشن نسیم آباد

طبع ہوا دیوان شہیر اب بھاگ ہیں جاگے اہل وطن کے  
از سر کوشش کمدو گلشن پھول کھلے ہیں باغ سخن کے  
۶۱۹۳۶ = ۱۹۱۶ + ۲۰

نتیجہ فکر سید محمد مجتبیٰ صاحب مشہور خلف حضرت شہیر خلد اشیاں

لو ہمار آئی ہو اسر سبز گلزار سخن بس گیا خوشبوئے گہمائے مضامین سچمن  
لکھدو یہ مشہور سال طبع دیوان شہیر چھپ گیا بے زحمت اب الہ کا دیوان سخن  
۱۳۵۴ھ



نتیجہ فکر سید محمد ایوب رضا مختلف حضرت شہید گزشتہ سال کی شہریت

جنت الفردوس میں شادیاں روح منیر اللہ شاعر و دانشور متنام  
بہر تاریخ طباعت مشعر آخر ہے خوب کچھ چھپے تشریف ایوب علیہ السلام کلام  
۱۳۵۷ھ

نتیجہ فکر مولوی محمد رشید رضا سبیل سبیل شہریت شہیر

حقیقت جو پوچھو حقیقت یہ ہے یہ شاعری میں جواب شہیر  
پے سال لکھ دو مکمل چھپا ہے کلام جناب شہیر  
۱۳۵۷ھ

نتیجہ فکر منشی محمد اسحاق جلی سیمائی القوی شہریت شہیر

ہے حضرت شہیر کا دیوان یہ لا جواب منظر ہے معرفت کا نہیں میں شک نہ  
جلی ہوئی جو فکر مجھے سال طبع کی آئی ندائے غیب - چراغ جہاں نما  
۱۳۵۷ھ

نتیجہ فکر مبین جان محمد بن اسماعیل سیٹھ جانی سیمائی کو حینی

یہ خیر رحمت نے پائی از افادات تروش لومرتب ہو گیا دیوان تلمیذ منیر  
سر اڑا کر جبل کا لکھ دو یہ جانی سال طبع چھپ چکا عرفان بھرا - دیوان مولانا شہیر

نتیجہ فکر مولوی محمد زکریا صاحب رحمت کو چھٹی تلمیذ جناب شیر خلد آشیان

چھپ کے نو مطبع سے نکلا آج دیوان شہیر  
پرودہ مشرق سے برآمد ہوا مہر منیر  
لکھدے تاریخ طباعت: بہت شیریں  
ہو گیا اب طبع بالتحفہ دیوان شہیر  
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولوی اشتیاق احمد صاحب اشتیاق رائے بریلوی تلمیذ جناب شیر خلد آشیان

چھپ گیا ہے شہیر کا دیوان ساری دنیا میں حکمت شہر ہے  
فکر کیا سال طبع کی مشتاق صاف لکھدو خدا کی قدرت ہے  
۱۹۵۲ء

نتیجہ فکر شیخ واحد علی صاحب عبرت تحصیل تلمیذ جناب شیر خلد آشیان

چھپ گیا دیوان مولانا شہیر پرودہ ظلمت سے نکلا آفتاب  
لکھدو عبرت بہر سال طبع اب نام حق دیوان یہ ہے انتخاب  
۱۹۵۴ء

نتیجہ فکر سید نیر حسین صاحب جسٹس محلی شہری تلمیذ جناب آرزو لکھنوی

برادر خورد و سر و ش

چھپ کے نکلا شان سے کیا خوشیوں ان شہیر  
اپنی کوشش میں سر و ش خوشیوں میں کمال  
سال تاریخ اشاعت: خوش لکھدو صفا  
ہے یہ دیوان شہیر شاعر عالی جناب  
۱۹۵۵ء

نتیجہ فکر زاہد حسین صاحب انصائی زرا پند پھلی شہری تلمیذ جناب شہید خاں کشیاں

کیا بھلا اثر عین مجھ سے ہے اسکے دیوان کی

بہر سال طبع کے زرا پند تھیں کیا فکر ہے

نتیجہ فکر سید علی حیدر صاحب حیدر خواہش جناب مشہور صاحب

لکھ دے حیدر بہر سال طبع اب

بے نظیر اعلیٰ تبار ولا جواب

۱۹۳۵ء

۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر سید ابوجعفر صاحب جعفر ضوی محلی شہری تلمیذ جناب شہید بنت مرقا

چھپکے مطبع سے جو نکلا ہے کلام یادگار

دی نذا یافت نے جعفر بہر سال طبع اب

۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر سید محمد مصطفیٰ صاحب نقوی حقیر خلف جناب شہید غفر اللہ نائب تحصیلدار جھانسی

کیا فصاحت کیا بلاغت ہے کتاب نظم میں

بہر سال طبع دیوان اب ہی لکھ دے حقیر

۱۳۵۵ھ

نائب گیسو گنارست علی صاحب شیدا مچلی شہری تلمیذ جناب شہیر

### جنت مقام

پانچویں روز سے محنت کا مہوار اپنی ہوش چھپ گیا یہ مرے استاد کا دیوان سخن  
بہر تاریخ یہ نفلت کی ندائیں آئیں لکھتے یاد ہوا دیوان گلستان سخن  
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر سید منصب علی صاحب قمبر مچلی شہری نوش حضرت شہید آشیان

چھپ گیا دیوان سولانا شہیر ہو گیا پورا اک اک ارمان - لکھ  
بہر تاریخ طبعیت صبر اب شکر خالق کا چھپا دیوان - لکھ  
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولوی محمد کریم صاحب کریم بنارسی

ہیں مشہور عالم جناب شہیر کہ حضرت کا شہرہ نہیں ہے کہاں  
جو ہے فکر تاریخ قلم کو کریم لکھو شہرت فیض نازک بیاں  
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر محمد اقبال صاحب اقبال مچلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیوں نہ اس دیوان کو ہو عالم میں وہاں حب مصنف کا تخلص ہے شہیر  
لکھو اسے اقبال یہ تاریخ طبع شہرہ آفاق دیوان بے نظیر  
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر سید محمد عثمان صاحب نور مجلی شہری تلمیذ حضرت متین

نور! عجب ہے یہ دیوان کس سے ہوا سکی تو نصیبت  
طبع کی ہاں لکھ دے تاریخ گنج بلاغت فکر لطیف

نتیجہ فکر عبدالسلام صاحب سلام مجلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیا چین نظم ہے یہ حیا گلشن جنت سے ہے پڑھ کر پتھر  
فکر بہت اگر طبع کے تاریخ کی لکھ دے غلط وار سے بار بار سخن

نتیجہ فکر قاضی جمال الدین صاحب جمال مجلی شہری تلمیذ حضرت متین

فرد لاکھوں میں ہے دیوان شریہ پاکہاں ماشاء اللہ انوار الدمر حیا صدر  
فکر سال طبع کی محک ہوئی ہے کمال منظر اسرار دل افروز میں سن لکھ دے

نتیجہ فکر ملک عابد حسین صاحب عابد مجلی شہری

ایک اک شعر اسکا ہے دراصل روح شاعری دینی ہے واہ وا دیوان مولانا شہب  
بہر تاریخ طباعت لکھ دے عابدی جان شاعر اب ہوا دیوان مولانا شہب

نتیجہ فکر سید ابراہیم الحاج شاہ الیاس محمّد مظہر صاحب دہری فاضل  
غازی پوری تلمیذ جناب شہیر اعلیٰ الد مقامہ

ابتداء سے انتہا تک ہے بھر فن عروض سکھنی ہوشاعری تو چاہئے ایسی کتاب  
ہوش دل سے لکھ دیکھ تاریخ ہجری ہندی چھپ گیا اب بارے دیوان شہیر خطاب  
۱۳۵۲ھ

نتیجہ فکر جناب سید اختر حسین سرور ش خولیش و جانشین  
حضرت شہیر اعلیٰ الد مقامہ

خوب شہرت ہو گئی اچھا تخلص تھا شہیر کر کے دکھلایا جہان شاعری میں اپنا نام  
ہے جو صورتی معنوی تاریخ کی فکر ہے سرور ش لکھ دیکھ شائع ہو گیا تیر سو چون میں کلام

